

مقالاتِ یومِ عالمگیر

مہارتیہ: محمد ایوب قادری

دائرة معارف

حق نشان۔ ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی ۷

۱۹۶۶ء

قیمت: چار روپیہ

اسٹوڈنٹس انٹرنیشنل پریس کراچی

فہرست مضامین

صفحات
(الف)

محمد الیوب قادری	یوم عالمگیر	
جناب ممتاز حسن	(۱) افتتاحیہ تقریر	
ڈاکٹر سید معین الحق :	(۲) خطبہ صدارت	
۱ مفتی انتظام اللہ شہابی	(۳) اساتذہ عالمگیر	
۲۱ ڈاکٹر افتخار احمد غوری	(۴) مظلوم کی جانشینی کا مذہبی پہلو	
۲۶ اردو ترجمہ شمارہ الحق صدیقی		
۳۲ خدمات علی خسرو	(۵) اورنگ زیب کی شخصیت	
۳۷ فروغ علوی کا کوروی	(۶) عالمگیر کے کردار و عمل کا تجزیہ	
۶۲ محمد روحی اور غور کا شغری	(۷) عالمگیر کے ترکستان اور ترکوں سے تعلقات	
۷۸ پروفسر عبدالجید صدیقی	(۸) مرشد قلی خاں کی مالی اصلاحات	
۸۶ سید صہاح الدین عبدالرحمن	(۹) اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے معاصر مشائخ	
۱۱۱ انوار احمد قادری	(۱۰) عالم اسلام میں فتاویٰ عالمگیری کی خدمات	
۱۱۸ بیگم صلاح الدین	(۱۱) عالمگیر کی معاشری اصلاحات	
۱۲۴ عباد اللہ گیلانی	(۱۲) گورو گوہند سنگھ جی اور اورنگ زیب	
۱۵۱ نصیب اختر	(۱۳) عالمگیری کی مذہبی رواداری	
۱۸۲ محمد سخاوت مرزا	(۱۴) اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	
۱۹۵ سید محمد بیدری	(۱۵) بیدار عالمگیر	
۲۱۱ سید عابد الواسع	(۱۶) حضرت عالمگیر اور علامہ اقبال	
۲۱۹ محمد رحیم دہلوی	(۱۷) اورنگ زیب عالمگیر کے اقوال	
۲۲۲ بیگم ممتاز معین	(۱۸) نصیب النصار بیگم	
۲۳۸ رشید ہاشمی	(۱۹) عالمگیر و نظم	

یوم عالمگیر

دائرہ معین المعارف کراچی کے زیر اہتمام یکم مئی ۱۹۶۵ء بروز شنبہ بوقت
شام شعیب محمدیہ بائریکنڈی اسکول دادا درہ شرقیہ، جبکہ لائسنز کراچی میں یوم عالمگیر
کی پر شکوہ اور باوقار تقریب منعقد ہوئی۔ اسکول کے احاطہ میں شاندار پینڈال بنایا
گیا۔ اس تقریب میں جناب ممتاز حسن صاحب ستارہ پاکستان بینک ڈائریکٹر
نیشنل بینک آف پاکستان (کراچی) مہمان خصوصی تھے۔ وہ چھ بجے تشریف لائے کچھ دور
تک ارکن دائرہ معین المعارف، ڈاکٹر سید معین الحق صاحب (مدرسہ سید سخاوت
علی صاحب (نائب مدرسہ) جناب مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب (خازن) جناب
عالم حسین صاحب (نائب محمد) جناب فروغ علوی صاحب (نائب محمد) وغیرہ
سے دائرہ کی علمی سرگرمیوں پر گفتگو فرماتے رہے، ساڑھے چھ بجے مہمان خصوصی کے
ہمراہ تقریباً سوا اہل علم نے عصرانہ میں شرکت کی۔ عصرانہ کے بعد جناب مفتی انتظام اللہ
صاحب کی طرف سے مہمان خصوصی کا خیر مقدم کیا گیا۔ مفتی صاحب کی طرف سے سندھ
ذیل تقریر راقم الحروف نے پڑھ کر سنائی۔

جناب ممتاز حسن صاحب !

دائرہ معین المعارف کے ایک رکن کی حیثیت سے میں اپنا
خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ اس مسرت اور جذبات تشکر کا

اظہار کردوں ز جو دائرہ کے کارکنوں کو آپ کی تشریف آوری سے ہوئی ہے۔ جناب کی علم دوستی اور اس سلسلہ میں آپ کی شہرت کسی تعارف کی محتاج نہیں، کراچی کے سربراہ آئندہ علمی حلقوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کی کارکردگی سے آپ نے اپنی دلچسپی کا اظہار نہ کیا ہو۔ ہم کو معلوم ہے کہ جناب کو ذاتی طور سے علامہ اقبال اور اقبالیات سے دلچسپی ہے۔ لیکن آپ کی وسعت نظر کی شہادت ہم کو ان خطبات میں ملتی ہے جو وقتاً فوقتاً آپ مختلف اداروں کی محفلوں میں دیتے رہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے انتہائی باعث مسرت ہے کہ ہمارے دائرے کی محدود اور مختصر کوششوں کو بھی جناب نے بہ نظر پسندیدگی دیکھا اور اس کی اعانت فرمائی۔

جناب! لا

دائرہ معین المعارف جس کے بانی ڈاکٹر مسیح الدین صاحب ہیں ابھی اپنی عمر کے تیسرے سال میں ہے لیکن شروع ہی سے دائرہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک سہ ماہی ادبی رسالہ "بصائر" شائع کرے گا۔ اس کے چند شمارے پابندی سے نکلے مگر کچھ قانونی پابندیوں اور پریس کے تبادلے کے سلسلہ میں اس کا ڈیکلریشن منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ تقریباً چھ ماہ سے ہمارے شائع نہیں ہو سکا۔ اب ڈیکلریشن مل گیا ہے اور جولائی سے انشاء اللہ باقاعدہ نکلتا رہے گا۔ ہمارے کا خصوصی شمارہ "شیخ سلطان نمبر" جناب کی نظر سے

گذرا ہو گا، دوسرے شمارے بھی شاید آپ نے ملاحظہ فرمائے ہوں، اس کے اندازہ لگایا ہو گا کہ ہماری کوشش ہے کہ رسالہ معیاری رہے۔

دائرہ کی بے بغنائی کے پیش نظر رسالہ کے علاوہ زیادہ اشاعت کا کام سرانجام نہ پاسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسالہ شائع کرنے کا بار ہی دائرہ پر اتنا زیادہ ہے۔ کہ ہمارے کچھ کرم فرما اس کی مالی امداد نہ کرتے ہیں تو ہم اس کو بھی جاری نہیں رکھ سکتے۔ بہر حال کارکنان دائرہ نے ہمت نہیں ہاری ہے اور رابطہ کے صدر جناب ڈاکٹر معین الحق صاحب کی رہنمائی میں کام جاری رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس وقت ہمارے ہاتھ میں ایک عظیم منصوبہ ابن اثیر کی تاریخ الکامل کی بارہ جلدوں کا اردو ترجمہ شائع کرنا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی کچھ جلدوں کا ترجمہ حیدرآباد اور آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ اب یہ بھی نایاب ہیں۔ اس کے علاوہ یہ صرف ترجمہ ہے ہم نے مکمل کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور ہر جلد میں ضروری حواشی، مقدمہ اور تعلیقات وغیرہ ہوں گے ترجمہ کا کام مختلف حضرات کے جو اس فن میں دستگاہ رکھتی ہیں سپرد کیا گیا ہے۔ لیکن جنرل ایڈیٹر ڈاکٹر سید معین الحق صاحب رہیں گے۔ تبرکاً اس سلسلہ کی اشاعت دوسری جلد سے شروع کی گئی ہے

جو عہد رسالت پر ہے۔ یہ کام بھی تو کل پر شروع کر رہا ہے
 یہی سبب ہے کہ کام کی رفتار زیادہ تیز نہیں۔ بہر حال کام چاں
 لکھ لی گئی ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی پریس بھیج دی
 جائیں گی۔

ایک دوسرا اہم منصوبہ دائرہ کے سامنے ایک
 قلموسا لٹا ہوا شائع کرنا ہے کارکنان دائرہ کا خیال ہے
 کہ یہ کتاب برطانیہ کی ڈکشنری آف نیشنل بیاگرافی کے خطوط
 پر ہونی چاہئے۔ ہمارے برصغیر کی مشہور شخصیتوں کے
 حالات تو انسائیکلو پیڈیا اور کسری کتابوں میں قلمبند
 ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی لاتعداد شخصیتیں ایسی ہیں جن کے حالات
 ضبط کرنا ضروری ہیں۔ یہ کام ایک بورڈ کے سپرد ہو گا
 جس کے صدر ڈاکٹر معین الحق ہوں گے دائرہ کی خواہش ہے
 کہ جناب بھی اس منصوبہ کی سرپرستی فرما کر کارکنان دائرہ کی
 ہمت افزائی فرمائیں۔ اگر جناب والا اس تجویز کو پسند فرما کر
 اس کی سرپرستی کرنا منظور کر لیں تو ایک باقاعدہ منصوبہ
 تیار کر کے جناب کی خدمت میں پیش کیا جاسکتا ہے تاکہ آپ
 تبادلہ خیالات ہو سکے۔

میں آخر میں دوبارہ جناب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ
 آپ نے اس تقریب میں شرکت فرما کر ہم لوگوں کو مستفقر
 فرمایا۔ اور ممنون ہونے کا موقع دیا۔

(انتظام اللہ شہبانی)

اس تقریر کے جواب میں جناب ممتاز حسن صاحب نے دائرہ کی علمی و ادبی خدمات کو سراہا، اس کے ساتھ ہی آرگن "بصائر" پر گراں قدر تبصرہ فرمایا اور دائرہ سے اپنی وابستگی اور دلچسپی کا اظہار کیا۔

مغرب کے بعد باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز محاورت کلام پاک سے ہوا۔ "حرف آغاز کے عنوان سے جناب مولانا اسد القادری صاحب نے ایک مختصر مگر دلچسپ تقریر میں جلسہ کے انعقاد کی غایت بیان کی اس کے بعد نائب صدر جناب حامد حسین صاحب نے یہاں خصوصی جناب ممتاز حسن صاحب کے افتتاح کی درخواست کی۔ حامد حسین صاحب کی تقریر درج ذیل ہے۔

جناب ممتاز حسن صاحب!

اے آمدت باعث آبادی ما

ارکین دائرہ معین العارف کی طرف سے مجھے یہ سہرا بخشا گیا ہے کہ میں جناب والا کو یوم المکیر کے افتتاح کرنیلی درخواست کروں۔

دائرہ کو قائم ہوئے ابھی صرف تین سال ہی ہوئے ہیں لیکن ارکین بالخصوص اس کے صدر اور بانی جناب ڈاکٹر سید عین الحق صاحب کے خلوص اور کوششوں کی بدولت اس نے ہماری علمی زندگی میں ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس کا رسالہ "بصائر" ہر حلقہ میں پسندیدگی اور استناد کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ دائرہ کے مقاصد میں اردو کی ترویج و ترقی اور اس کو دنیا کی جدید اور مستند زبانوں میں جگہ پانے کا مستحق بنانے کی کوشش کے علاوہ اسلامی فنون

تاریخ کا مطالعہ اور پاکستانی قومیت اور اخوت کا احکام
 بھی ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ تعینات
 و تراجم کے ذریعے ایسا مواد پیش کریں جو فوری مفاد کے
 علاوہ آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لئے بھی مفید
 ثابت ہو۔

نام نیک رنگاں نتائج مکن

تا با نام نیکت برقرار

میں ہی مقاصد کے پیش نظر دائرہ نے اسلامی تاریخ
 کی ان مشہور شخصیتوں کا یوم منانے کا سلسلہ شروع کیا ہے
 جن کے کارناموں کا مطالعہ مفید اور ضروری ہے گزشتہ
 سال یوم تیمپو سلطان منایا گیا تھا اور جب قدر مقامے
 پڑھے گئے وہ بصائر کے خصوصی بہر میں شائع ہو چکے
 ہیں ہم کو مستر ہے کہ ہمارے اس اقدام کو نہ صرف پاکستان
 میں بلکہ بیرون پاکستان بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا
 ہے۔

آج دائرہ یوم عالمگیر منارہا ہے، اس دن کی اہمیت
 اس لئے اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ اس کا انتہا ایک ایسی
 شخصیت کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے جس کی ادب نوازی
 اور علم پروردی نے پاکستان کی علمی زندگی میں حسان
 ڈال دی ہے۔

آئناں کہ خاک را پہ نظر کیا کنند

آیا بود کہ گوشہ چشمتے با کنند (حافظ)
 اب میں کارکنان دائرہ کی جانب سے جناب والا سے
 درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے اس اہم اجلاس کا افتتاح
 فرما کر ہم لوگوں کو ممنون ہونے کا موقع دیں۔
 (حامد حسین)

اس کے بعد جناب ممتاز جن صاحب ستارہ پاکستان نے اپنا
 افتتاحی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کی علم تاریخ سے وابستگی
 اور اس سلسلہ میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کو تفصیل سے بیان
 کیا۔ ہندوستان کے مسلم مورخین کا خاص طور سے حوالہ دیا۔ مسلمان سلاطین کی
 علم پروری، ثقافت دوستی اور بے تعصبی پر بھی روشنی ڈالی۔ عالمگیر اورنگ زیب اور
 اس کے عہد جہاں بانی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور دائرہ کی ان کوششوں کو واضح
 الفاظ میں سراہا جو کہ وہ ان اکابر کی یاد مناکر اچھی مثال قائم کر رہا ہے۔

اس کے بعد صدر ادارہ ڈاکٹر سعید معین الحق صاحب نے اپنا مطبوعہ
 خطبہ صدارت پیش کیا۔ جس میں انہوں نے عالمگیر اور اس کے عہد کا ایک بھرپور جائزہ
 لیا تھا جس سے بعض وہ اعتراضات از خود رفع ہو جاتے ہیں جو بعض غیر مسلم مورخین
 نے عالمگیر پر لگائے ہیں۔ حاضرین نے ان کے خطبہ کو بہت دلچسپی سے سنا۔

ڈاکٹر معین الحق صاحب کے خطبہ صدارت کے بعد ممتاز حسن صاحب نے دوبارہ
 تقریر فرمائی اور اس خطبہ پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور پر زور الفاظ میں یہ بات
 کہی کہ ایک مفصل اور جامع کتاب ڈاکٹر معین الحق صاحب کو عالمگیر پر لکھنی چاہئے
 جس میں خاص طور سے مبادون ماتحہ سرکاری غلط بیانیوں اور الزام تراشیوں کو طشت
 الزام کیا جائے۔

اس کے بعد جناب محی الدین رشید ہاشمی صاحب نے عالمگیر کا ایک قلم پڑھی۔ اس کے بعد
مندرجہ ذیل مقالے علی الترتیب پڑھے گئے۔

(۱) جناب حکیم محمد سعید صاحب نے "عالمگیر کے دور کے اجداد" کے عنوان سے ایک
معلوماتی مقالہ پڑھا جس کو حاضرین نے بہت دلچسپی سے سنا۔

(۲) جناب سید عبدالواحد صاحب نے "عالمگیر اور علامہ اقبال" کے عنوان سے
ایک مقالہ پیش کیا اور بتایا کہ اس مغل شہنشاہ کو علامہ نے کن زوردار الفاظ میں خراج
عقیدت پیش کیا ہے۔

(۳) بیگم متار معین نے اپنا مقالہ "زیب النساء بیگم" پڑھا اور پرزور دلائل کی
روشنی میں ان پادشاہی اعتراضات کو انہوں نے رفع کیا جو زیب النساء بیگم کے کردار
پر لگائے جاتے ہیں۔

(۴) بیگم عظیم النساء صلاح الدین نے "عالمگیر اور معاشری اصلاحات" کے
عنوان سے مقالہ پڑھا جس میں انہوں نے بتایا کہ عالمگیری دور میں کیا کیا معاشری
اصلاحات عمل میں آئیں۔

(۵) صاحب مد علی صاحب اور جناب مشکور معصومی صاحب نے
ڈانٹیں پڑھیں۔

(۶) آخر میں جناب سمنات علی خسر و صاحب نے عالمگیر پر
ایک مقالہ پڑھا۔

چونکہ رات کے تقریباً ساڑھے دس بج چکے تھے اور بہت سے مقالے رہ گئے تھے اس لئے
جلسہ دستکون کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

۲۱ مئی ۱۹۶۵ء کو بروز یکشنبہ بعد نماز مغرب یوم عالمگیر کا دوسرا اجلاس شروع
ہوا۔ مندرجہ ذیل مقالے علی الترتیب پڑھے گئے۔

(۱) سب سے پہلے سید محمد بیدری نے "عالمگیر اور بیدر" کے عنوان سے ایک جامع اور معلوماتی مقالہ پڑھا اور بتایا کہ عالمگیر کے دور کے کون کون سے آثار اور یادگاریں ہیں آج بھی موجود ہیں۔

(۲) جناب سید سعید اختر زیدی صاحب نے "عالمگیر اور داراشکوہ کے تعلقات" کے عنوان سے مقالہ پڑھا، اس مقالہ پر ڈاکٹر معین الحق صاحب نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ چونکہ فاضل مقالہ نگار نے بالکل نئے انداز سے اس عنوان کا مطالعہ کیا ہے اس سے ان پر بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ وہ جو بات ہمیں دلائل و بڑا بین کے اعتبار سے کمزور نہ ہو۔

(۳) جناب سراج رضوی صاحب ایڈیٹ نے "عالمگیر میری نظر میں" کے عنوان سے ایک دلچسپ مقالہ پیش کیا۔ رضوی صاحب کا مقالہ تاریخی معلومات کے علاوہ ادبی چاشنی سے بھر پور تھا۔

(۴) پروفیسر عبد المجید صدیقی صاحب نے "مرشد قلی خاں کی مالی اصلاحات" کے عنوان سے ایک پر مغز مقالہ پڑھا صدیقی صاحب کا مقالہ بہت قیمتی معلومات کا حامل تھا۔

(۵) جناب نعیم اختر صاحب نے "عالمگیر کی ہندو دل کے ساتھ مذہبی رواداری" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا اور دستاویزی ثبوت کی روشنی میں ان الزامات کی تردید کی جو عالمگیر پر لگانے جاتے ہیں۔

(۶) جناب انوار احمد قادری صاحب نے "عالم اسلام میں فتاوے عالمگیری کی اہمیت" کے عنوان سے ایک دلچسپ مقالہ پڑھا۔ اور بتایا کہ عالم اسلام نے فتاوائے عالمگیری سے کس قدر استفادہ کیا ہے۔

۱۱ جناب فروغ علوی کا کوروی صاحب نے مالگیر اور شاہجہاں کی خط و کتابت پر ایک مقالہ پڑھا۔

۱۲ جناب پروفیسر محمد حامی الدین صاحب نے مالگیر کی دکن پالیسی پر ایک مقالہ پیش کیا یہ مقالہ ان کی طرف سے جناب ساجد علی صاحب نے پڑھا۔

مقالوں کے اختتام پر جناب انعام الرحیم صاحب نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ مقالوں پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور دائرہ معین المعارف کی ان علمی و ادبی سرگرمیوں کی واضح الفاظ میں تعریف کی۔

آخر میں جناب ڈاکٹر سعید الحق صاحب نے ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے جلسہ کو کامیاب بنایا اور اس میں دلچسپی لی۔ آخر میں جناب پروفیسر حامی الدین صاحب پر نسلِ شعیب محمدیہ سیکنڈ کی اسکول نے، ڈاکٹر سعید الحق صاحب اور اراکین دائرہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس علمی تقریب کے انعقاد کے لئے ہمارے اسکول کو منتخب فرمایا۔ اے بچے بخیر و خوبی جلسہ ختم ہوا۔

محمد ایوب قادری

جناب ممتاز حسن صاحب کی افتتاحی تقریر کا خلاصہ

مجھے بڑی مسرت ہے کہ آپ یوم عالمگیر مناسبت ہیں۔ اورنگ زیب اس برصغیر کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی حکومت کا زمانہ پچاس سال سے اوپر ہے اور وہ زمانہ اہم واقعات سے پر ہے، اورنگ زیب جب تخت نشین ہوا تو اس کے سامنے بہت سے مسائل تھے اس کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان میں اسلامی روایات کی تجدید ہونی چاہیے اور یہ بھی کہ اس تجدید کے لئے وہ خود ہر طرح سے موزوں ہے۔ اس کا زہد و تنسک اور شعائر اسلامی کی پابندی اس کے اسی جذبہ کی منطبع ہیں۔ اس کے نتائج دور رس ثابت ہوئے۔ ہندو امراء اور رعایا جو اکبر کے وقت سے غیر معمولی رعایتوں کے عادی تھے اس کے روئے سے بدگمان ہوئے اور جب اس نے جزیرہ دوبارہ ماتو کیا اور نئے مندر کی تعمیر پر پابندی لگادی تو ہندوؤں کی ناراضگی اور بھی بڑھ گئی اور وہ یہ بات بھی

بھول گئے کہ تھے مسند بنانے کی ممانعت کے ساتھ ساتھ اورنگ زیب نے پرانے مسندوں کے لئے ذرا عانت اور جاگیریں بھی منظور کی تھیں۔ مرثیوں سے جوڑائیاں ہوئیں وہ اگرچہ سیاسی نوعیت کی تھیں مگر ان کو مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ یہی حال اورنگ زیب کی دکن والی مہموں کا ہوا جس میں اس کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ صرف ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز اور ہندو مورخوں نے اورنگ زیب کو ایک بابر اور مستعصب حکمران کی حیثیت سے پیش کیا۔ حتیٰ کہ سر جادو ناتھ سرکار جیہا آدمی بھی جو ہمارے زمانے میں مالگیر کے مورخ کی حیثیت سے مشہور ہے تعصبات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اور اورنگ زیب کی بُرائی ثابت کرنے کے لئے اس نے خود نام کو بھی بُرا کہا۔

آج اگر ہم اورنگ زیب کی شخصیت اور زمانہ حکومت کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم اورنگ زیب کی ماضی حکمت عملیوں اور انتظامی کارروائیوں پر ایک منصفانہ اور غیر جانبدارانہ نظر ڈالنے کی کوشش کریں اور یہ سوچیں کہ وہ کون سے عوامل و عناصر تھے جن کی وجہ سے اورنگ زیب کو اپنی کوششوں میں کامیابی نہ ہو سکی۔ یہ نہیں کہ ہم جادو ناتھ سرکار کے یا دوسرے مورخین کے تعصب کے مقابلے میں اپنا تعصب لائیں اور اورنگ زیب کی ہر بات کو خواہ وہ اچھی ہو یا بُری جھٹاٹ کر ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اورنگ زیب کو اچھا ثابت کرنے کی بجائے ہمارے لئے یہ مفردی ہے کہ ہم اس کی غلطیوں سے سبق لیں اور اپنے زمانہ میں ایسی غلطیوں سے اجتناب کریں تاہم تاریخ کے مطالعہ کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہم ماضی کے مطالعہ سے اپنے حال اور مستقبل کی اصلاح کریں۔

تاریخ کا مطالعہ اسلامی روایات کا حصہ ہے۔ قرآن کریم میں پرانی امتوں کی سرگزشت کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ان کے اعمال نیک و بد کی طرف ہمیں خاص طور پر متوجہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے آج سے پہلے بڑے بڑے مورخ پیدا کئے ہیں، طبری، ابن الاثیر اور المقرئ جیسے مورخ اثنابلت مقام رکھتے ہیں کہ ان کا ہر شکل سے ملے گا۔ ابن خلدون دنیا کا سب سے پہلا فلسفی مورخ ہے۔ اسی طرح اور بہت سے مورخ ایسے ہیں جن پر مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ اس برصغیر کے اسلامی دور میں منیاد الدین برنی، ابوالقاسم فرشتہ اور ابوالفضل جیسے عظیم الشان مورخ ہو گزرے ہیں۔

اورنگ زیب کے متعلق اقبال نے جن جذبات کا اظہار کیا وہ عقیدت مندی کی حد میں داخل ہے۔

شاہ عالمگیر گردوں آستان

اعتبار دو دمان گو رہماں

در میان کارزار کفر و دین

ترکش مارا خدنگب آخریں

ان دونوں شعروں کے سننے کے بعد میرا شمار بھی اورنگ زیب کے عقیدتمندوں میں ہونا چاہئے تھا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میرے دل میں اورنگ زیب کے لئے بڑی عزت ہے البتہ اس کی سیرت کے ایک پہلو سے میں مطمئن نہیں ہوں اور وہ یہ کہ نہ اس کو کسی پر اعتماد تھا نہ کسی کو اس پر، میرا تجربہ یہ ہے کہ انتظامی امور کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے رفیقوں اور زیر دستوں پر اعتماد کر سکے۔ اور اسے ان کا اہملو

بھی حاصل ہو۔ آپ میری رائے سے متفق ہوں یا نہ ہوں یہ مسئلہ خود غیب
فرد ہے۔

انسوس ہے کہ ہمارے اپنے زمانہ میں فن، تاریخ سے مسلمانوں کو وہ
دلچسپی نہیں رہی جو انہیں اس سے پہلے تھی۔ بیوی صدی کے مسلمان
مورخوں میں سب سے بڑا نام مجھے اپنے مرحوم بھائی ڈاکٹر محمد نائم کا نظر
آتا ہے جنہوں نے محمود غزنوی کے حالات اور واقعات کی تحقیق پر ایک عمر
صرف کی۔ اور جن کی تصنیف آٹھ جلدوں پر ایک سنگین جہت، آتی ہے۔
اب جب کہ ہم آزاد ہیں ہمارے لئے فرد کی ہے کہ اپنے تاریخی ذوق کو
دوبارہ زندہ کریں مجھے یقین ہے کہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
کی کوششیں ہیں اس ارادے کی تکمیل میں۔ و دیں گی، کسی قوم میں
ایک مورخ کا پیدا ہونا اس قوم کے لئے عزت، درخشاں بات ہے۔ اور
اور یہ عزت اور یہ فخر ہمارا پیدا انشی حق ہے۔

یوم عالمگیر

خصبہ صدارت

از

ڈاکٹر سید معین الحق

خوان و حضرات :

آج جس شخصیت کی یاد منائے اور صحیح تاریخی سرمصر
میں اس کی تصویر پہلو کرنے کی غرض سے یہ جدید طرز
گیا ہے ' کیا اس کا مقام واقعی اہم و بزرگ ہے یا اب بھائی
سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کے ذکر کو تازہ دلانہ ضروری
سمجھا جائے ؟ ہوں تو مورخ کے نزدیک ماضی کا غرور اور
اس سے متعلق ہر شخص کیسی یہ ایسی حد تک اہم ہے
لیکن بعض شخصیتوں کا کردار تاریخ سازی کی تاریخ میں
ایسا نمایاں ہو جاتا ہے ' کہ ان کو بولنا نہیں چاہیے ' ان
ان کے پہچاننے کا ایک ہی طریقہ ہے ' ان سہولت انسانی کی
بصر میں انہوں نے کوئی انٹ ایسی رکھی ہے جس کو ہٹا
دینے سے اس ختم نہ ہوئے والی عمر میں کسی قسم کی
کہ زوری یا عیب نظر آنے لگے ؟ اسی معیار پر ہم کو جائزے
کہ عالمگیر کے کارناموں کو جانچیں ' سہولت و بھول کی بد

عمارت اننی وسیع اور مزین ہے، اس کی تعمیر و تزئین میں اسی صناعی و کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور اس کے نقش و نگار میں ایسی خوبیاں پیدا کی گئی ہیں کہ اس کے لامعداد معماروں کی کارکردگی ایک دوسرے سے سلسلہ بہی ہے اور متصل و ہم آغوش بھی، کیا عالمگیر ڈیڑھ لونی دارمہ ہم کو اس کی دیواروں میں کہیں نظر آتا ہے، اور اگر نظر آتا ہے تو کس شکل میں، اور عمارت کے کسی حصہ کو مضبوط یا مزین کرنے میں اس سے مدد ملی ہے؟ ان سوالوں کے جوابات کے لئے تاریخ کے بعض گوشوں پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے

اکبر نے حربی فتوحات اور نظم حکومت کی اصلاح اور جہانگیر و شاہ جہاں نے مصوری اور فن تعمیر میں دلچسپی لے کر جس طرح زندگی کے ان گوشوں کو سوارا، وہ ہر شخص جانتا ہے، لیکن عالمگیر کے متعلق اکثر مورخ یہی کہتے ہیں کہ اس نے مہر گروائے ہندوؤں کو ناراض کیا اور دکن میں ایک طویل جنگ کا سلسلہ شروع کر کے معیہ حکومت کے وسائل اور وقار کو سخت صدمہ پہنچایا، ان میں سے بعض نے تو اس کی ایسی بھانک تصویر پیش کی ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے، مثلاً وہ اس کو مکار اور ریاکار کہتے ہیں، اس کا مسجد میں جا کر پابندی سے نماز یا جماعت ادا کرنا، اس کا روئے رکھنا اور کبھی کبھی مسجد میں جا کر شب بیداری کرنا، کچھ دیوں کے لئے زمین پر سونا اور فطحو کی روٹی کھانا، ان عبادات کا ذکر کر کے سب کا مقصد یہ لوگ یہی بتلاتے ہیں کہ وہ اپنے

حراثت پر تقدس کا پردہ ڈالنا چاہتا تھا۔ دور جدید میں ہماری تاریخ نویسی کی جو روایات قائم ہو گئی ہیں ان کے بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ان ہی مورخوں کے خیالات کو منع معلومات تسلیم کیا ہے اور ان ہی کے طرز نگارش کو معیار بنا لیا ہے، عالمگیر کے زہد و تقویٰ پر سفید کرے وقت ہم کو نہ دیکھنا چاہئے کہ یہ خصوصیات اس کی زندگی میں دسویں سے نظر آتی ہیں۔ ۱۶۴۳ء میں جب اس کا سفوف سب بھا اور ابھی جنگ تخت نشینی میں پندرہ سال کی رہے ہو آئے طے کیا کہ نادر کی دنیا ہو کر مغربی گواہ کی پہاڑیوں پر اپنا سارا وقت عبادت میں گزارے، غلامی دنیوی کو اس طرح یکسر ختم کر کے ایک سال تک فقری کی زندگی گزارے کو حصول تخت کے لئے ایک مکارانہ چال کہنا، حیل نہیں تو کیا ہے؟ یہ حضرات اتنی کھلی ہوئی بات کو بھی نظر انداز کر رہے ہیں کہ اگر اورنگ زیب کے دل میں اسی وقت سے حصول تخت کی تمنائیں موج زن ہوئیں تو سب سے پہلے وہ ایک مستعد فوج اور زبردست حزانہ مہیا کرے کی تدبیر کرتا

یہ امر تو کسی سے پوشیدہ نہ ہوا کہ صاحبزادوں کے چاروں لڑکے عمر رسیدہ، عمد حوصلہ اور صاحب بروہ ہونے کے علاوہ بڑے بڑے صوبوں کے گورنر بھی تھے، ان حالات میں کوئی وجہ نہ تھی کہ تخت نشینی کا مسئلہ اختلاف کا باعث نہ بنتا، یہ ضرور ہے کہ صاحبزادوں اور دارا نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ جنگ قبل از وقت ہی شروع ہو گئی لیکن اس کا

امکان ہو برسوں پہلے حذر آئے مگر سچا 'سوس واپس کے لئے سرگ دنیا
اور قدرانہ زندگی 'کس طرح موزوں نہیں ہو سکتی تھی؟
اور اگر اسکو ہکارانہ چال سمجھنا چاہئے تو وہ اسطرح اسکو بخت
نک پہنچائے جس مفید بہت ہو سکتی تھی؟ تاریخ یہ ہو نہیں
پہلائی کہ لوگ فرما اور رہو لو صاحب جس لئے رہے ہیں۔

سہمہاشی نک پہنچنے کے لئے اور انداز احباب کی ذمہ
داروں سے اس کے بعد غامض گئے جن باتوں اور اصلاحات
کا احراز کیا ان پر متعدد اسراحت دئے گئے 'کس' معروضہ
میں اکثریت تو ان مباحث کی تھی جن کی تاریخ ہم عصر اور
اصل واحد نک نہیں' سنئے وہ معری موزوں کی مصائب اور
تراجم پر اسے مصالحو کا اختصار دئے ہیں' یہ وہی اثر
گمراہ کن ثابت ہوئے ہیں' جہاں تک برحموں کا تعلق ہے
بہت کم اسے جس جس میں اصل عبارت کی روح موجود رہی
ہے اور نہ ہی کچھ تو اسی دانش مصائب بصر سے گذری
ہیں جو اسی حالت میں معری میں کی جا سکتی' مثلاً عبدالغفار
بدایونی کی تاریخ مصعب سوارج کے بارے میں ہے وہ وہ لو
مہم دلو بڑھا' اور چر - - - جو بوری لو اس سے
متعلق کر کے ان پر صلہ پوزا ہے - - - وہ مصعب جو صرف اس
نرحمہ کو بڑھے اور ساہو ہی عبدالغفار کو مستند حوالہ کریں
ہو' غلط تاریخ اخذ کرنے سے بچ سکتے ہیں؟ یہہ ہمارا اسنادی
مثال ہے' لیکن اگر بوری برحموں میں ہمہ لو ہمہ ہمہ ہر اسے
بیانات ملتے ہیں جو گمراہ کن ہیں لہئے جا سکتے ہیں'

عہد عالمگیر کے سر پر آوردہ مورخوں میں جادو نامہ سرکار اور
 لن یوں‘ سر فہرست ہیں‘ ان دونوں میں اصلی ماحذ سے فائدہ
 اٹھایا ہے‘ اگرچہ اول الذکر فارسی نہیں جاسے بھی‘ لکن وہ
 منشیوں کے ذریعہ فارسی ماحذ کے ترجمے ذرا ذرا ان کو
 پڑھنے بھی بھی اور وہ بہ ذہ اسے نام سے شائع بھی نہ دیے تھے۔
 ان دونوں نے عالمگیر کی بعض خصوصیات اور ایسی اوصاف کی
 تعریف کی ہے اس کی ذہانت‘ سجدات اور سبھی حالات و
 علاوہ اسکی دین داری اور غوثی کا وہ احزاب کے ہیں‘
 لیکن لن یوں نے ہم اور ایک حد تک معصوم مزہر کے
 اور سردار نے انسانی سگ بصری اور معصب کا مصداقہ درج
 ہونے پر یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ عالمگیر میں موسوم سی
 خوبیاں نہیں مگر وہ ہے جس میں کلاں کہ راسخ معتمد مسلمان
 ہونے کی وجہ سے اسکو وہ پائسیاں احبار دینی پڑیں‘ جن کے
 اسہانی خراب نتائج برآمد ہوئے۔ حضرت مرید ہے کہ اس بصریہ
 کو پیش درجے وہ سردار ایک مسیری کا سادہ وڑھہ اپنے
 ہیں اور اپنی مورخانہ حیثیت کو بھول جاتے ہیں۔
 ”اسلامی کہستانی ریاست ہندوستان میں“ The Islamic State
 Church in India کے عنوان سے انہوں نے اپنی مشہور کتاب
 کی تیسری جلد میں ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں اسلامی ریاست
 پر انہوں نے جس انداز سے تبصرہ کیا ہے اسکی حقیقت کا بارہ
 لگانے کے لئے چند فقرے کافی ہیں‘ وہ فرماتے ہیں: ”اسلامی
 ریاست اصولی طور پر ایک تہیا کریسی ہے جس میں تمام وسائل اور
 ساری قوتیں حکومت اور سیاسی اقتدار کے تحت‘ سچے دس کے

مشرقی پروپاگینڈا کے لئے وقف ہوتی ہیں، اسلئے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو مافی رعبے دینا گناہ کے مترادف ہے۔ اسی طرح جہاد کا ذکر کرے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام کی فتح کے بعد، جو لوگ لڑائی میں شریک نہیں آئے یا ان کو غلام بنانا ضروری ہے، ان کے اہل و عیال بھی غلام ہو جائے ہیں۔ جو جنگ میں شریک نہ تھے، اگر ان کو قبل یہ دیا جائے تو برعیب دی جائے کہ اسلام قبول کریں، درخکہ "ساری آبادی کو مسلمان بنانا اور ہر قسم کے اختلاف کو کحل دہا" اسلامی ریاست کا نصب العین ہے، اسی قسم کی اور بے بنیاد باتیں اس باب میں بھری ہوئی ہیں، ایک دلچسپ باب یہ ہے کہ اسلام کے ان بنیادی اصولوں پر رائے کے سلسلہ میں انہوں نے علاء الدین خدجی اور قاضی مفتی الدین کی گفتگو بطور دلیل پیش کی ہے۔ آپ حضرات اب سمجھ گئے ہوں گے کہ پروفیسر مدکور آب کو کہاں لئے جا رہے ہیں۔ وہ نہ ناست درے کی دوشمن کر رہے ہیں کہ اسلامی ریاست میں رواداری کا دو ذکر ہی کیا ہے، یہاں دوسرے مذہب کے پیروؤں کو رہنے کی اجازت اسی صورت میں دی جاسکتی ہے کہ انکو علامی کا درجہ دیا جائے۔ عالمگیر اسلامی ریاست قائم کرنا چاہا تھا، اس لئے اس کی حکومت میں ان حراسوں کی موجودگی ناگزیر تھی، یہ الفاظ دیگر، ان حراسیوں کا دمد دار، ایک فرد نہیں، بلکہ اسلام تھا۔ اب عور کیجئے اور بتلانے کہ مورخوں کے اس استدلال اور تاریخ نویسی کے ان تصورات سے جو غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں، انکو دور کرنے ضروری ہے یا نہیں؟ کیا اس میں شک

کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ پروفیسر سرکار یا تو تھما کر بیسی کا مفہوم نہیں جانتے یا اسلامی ریاست کے تصور سے ناواقف ہیں تھما کر بیسی 'پروعتوں اور مدعی پشواؤن کی حکومت ہے۔ اسلام میں خود پرورے کے لئے ہی کوئی مقام نہیں' نہ دسبائے سپاہ کہیں نشان بنا ہے' تو پھر اسلامی ریاست تھما کر بیسی کسے ہو سکتی ہے؟ پروفیسر مذکور جوش من آکر یہ بھی بھول گئے کہ اپنے ایک ہزار سالہ دور امدار میں مسلمانوں نے کتنی کدیاں اس سے متعلق کوئی محکمہ حکومت کے تحت قائم نہ کیا' ہر خلاف اس کے برطانوی عہد امدار میں اسکا کیا کیا۔ اسلامی دور حکومت میں تبلیغ دین کا کام انفرادی اور نجی کوششوں ہی تک محدود رہا۔

اب ذرا ہم اس طرف بھی توجہ کریں کہ عالمگیر کی پالیسیوں کا وہ کون سا گوشہ ہے جس کی وجہ سے مورخوں میں اس کے خلاف اس قدر بغض پیدا ہو گیا ہے' حملہ اعتراض کو نکالنا جمعہ کے اگر ان کا تحریرہ اور مقابلہ کیا جائے یہ معلوم ہوتا کہ اس سہمشاہ کے اسی کارنامہ کو سب نے ہدف ملامت بنایا ہے جو ایک حقیقت پسند ناقد کی نظر میں اس کی سب سے اہم خدمت ہے' اور جس کی بدولت وہ تاریخ کے صفحات میں ایک بلند مقام پر نظر آتا ہے' اسلامی معاشرہ کی تشکیل ان بصورات پر ہوتی رہی ہے جن کو ہم سرورے کے بنیادی احکام کہہ سکتے ہیں اور جن کا منبع قرآن اور سنت ہیں جب تک اسلامی دنیا کی وحدت قائم رہی معاشرہ بھی ایک ہی

تھا۔ یعنی اسلامی تمدن کی ایک ہی عمارت تھی۔ بعد مدد کے بعد مخدوم علاقوں میں غلبہ شدہ اور خود مختار حکومتوں وجود میں آگئیں۔ گونا گونا گونے سے گئے۔ لہذا اسلامی تعلیمات کی وجہ سے بنیادی طور پر یہ معاشرے یکساں ہی تھے۔ ان کو ایک عمارت تو نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ان کی یکسانیت میں نہ کوئی شبہ تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جابریہ مذاہب جو ابتدا میں قائم ہو گئے تھے۔ ہر اسلامی حکومت نے ان ہی میں سے کسی ایک کو تسلیم کر لیا۔ اشاریہ رنگی میں بھی ان ہی میں سے ہر مسلمان کسی ایک کی پیروی کرتا تھا۔ حکومت کا فرض تھا کہ وہ تمام حکومت نے معاہدہ کو ان ہی حدود کے اندر رکھے اور جو اسلامی شریعت کے احکام و قوانین کی خلاف ورزی کرے اس کو سزا دے۔ شریعت کے احکامات بھدب و تمدن کی پیروی نے نئے مدد تھے۔ اس کے راسے میں رکاوٹیں پیدا کرنے تھیں۔ یہ مسئلہ عمارت موضوع سے باہر ہے۔ ان اس مسئلہ میں نہ ذکر کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں شریعت کی نالا۔ کسی حد تک مکمل طریقہ پر قائم رہی۔ مسلمان بھدب و تمدن کے مدد میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جب یورپ میں عہد تاریکی کا دور تھا۔ ہر شخص جاہل ہے۔ نہ اس زمانہ میں علم و تحقیق کی مشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور یہی زمانہ تھا جب مسلم رہنما تہذیب و تمدن کی عمارت کو بوری لے سانبہ بلند کر رہے تھے۔ ان کے کارناموں کو ہم یورپ کی تحریک اور بعد مغربی تہذیب کے نش و نگار میں سمجھ سکتے ہیں۔

بد قسمتی سے اسلامی معاشرہ یا یوں کہئے کہ مخلص علاقوں کے اسلامی معاشرے دورے معاشروں کی طرح اندرونی اور بیرونی صدموں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ہر صغہ کی تاریخ میں اسلامی معاشرہ کو سب سے زیادہ صدمہ دین الہی نے حملہ سے پہونچا۔ اس سے قبل بھی سرحدوں کی حالت ویران لی جاتی تھیں، لیکن ان کے بچے کوئی مسئلہ نہ رہا۔ رش نہ ہوئی تھی، ان کا ارتکاب اکثر وہی ضروریات کے لئے نہ تھا یا امدادی نا اعلیٰ کی بنا پر ہوا تھا، لیکن کبھی عہد میں جو بنے دین کی بنیاد رکھی گئی وہ ایک منصوبہ کے تحت تھی، اس مارش کا تجزیہ قدرے تفصیل چاہیے۔ مسلمانوں کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اسکی ہوس امداد کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، امداد کے رہے نہ ہوں ہی اسکا قدم آگے بڑھا ہے، اس کو اٹکی سڑھی پر ہسچنے کی فکر ہو جاتی ہے، یہ سلسلہ لامتناہی نظر آتا ہے، اور اسوب تک جاری رہتا ہے جب تک کہ یا تو کوئی زبردست ردوٹ نہ پڑا ہو اور یا حکمران کی زندگی ختم نہ ہو جائے، اکبر کے ساتھ بھی یہی ہوا، وہ اپنے اجداد میں سے اکثر کی طرح نہایت ذہین، بلند حوصلہ، باہمت، بہادر اور صلاحیتیں رکھنے والا حکمران تھا، جس ناموافق حالات میں وہ چودہ برس کی عمر میں سب سے بڑھا، ان کے ہم نظر اسکی وسیع فوجات اور ایک مستحکم نظام محکمہ کا قیام و استقلال، ایک ایسا سادار کارنامہ ہے جس پر دنیا کی کوئی حکمران بھی فخر نہ کر سکتی ہے، لیکن یہ بھی اس کا وعدہ ہے کہ ابھی اس نے نیا پ کا آغاز ہی کیا، یہ اس کی بلند روحانیت کی

یرام خاں کے اقتدار سے بچنے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی اور
 عمر کے اٹھارہویں سال ہی میں اس نے اسے قتل اور وصال
 دیا۔ اس کے ورثہ بڑھتے ہوئے اقتدار کو جس قدر لہہ دیا
 دو سال کے اندر حرم کی ان عورتوں اور دربار کے ان امراء سے
 جو اس نے سجھا چھڑا لیا جنہوں نے اس سے اس کا ساتھ
 دیا تھا، گویا ہس سال کی عمر میں وہ کا مقصد اعداں حکمران
 بن گیا۔ اب کوئی اسکے اقتدار کی طرف آنکھ نہ اٹھا کر نہیں
 دیکھ سکتا تھا۔ کچھ امراء نے عدم تعاون سے روک دیا، لیکن
 یہ معاویہ نہ آسانی فرما کر دی گئی، سیدہ، شہنشاہ اور ان کے
 کے علاوہ سارا برصغیر اور موحیہ اعداں ر وسیع علاقہ مغل
 حکمران کے زیر نگیں آگیا۔ اس سے بڑی حوشی اسی نہ تھی
 جو پوری نہ ہوئی، ماسوا اس کے کہ اس کے کوئی بڑا نہ تھا۔
 وہ چاہتا تھا کہ اس کے بڑے بھائی اور والدہ رے چاہے سب
 سب جی رہیں اس نے بھائی کی درخواست کی، بالآخر سہراہ
 سب پیدا ہوا اور زندہ رہا۔ اسکے چند سال بعد ہی قسطنطنیہ اور
 ابوالفتح دربار سے مسلمان ہوئے، ان دونوں بھائیوں کو اور
 ان سے زیادہ ان کے باپ مسیح مبارک کو عدا کے طعنہ سے دانی
 وحوادث کی بنا پر عدا پیدا ہو گیا تھا، وہ چاہتے تھے کہ اسکا
 انتقام لیں، مگر دربار کا ماحول اس کے نئے موافق نہ تھا،
 شہنشاہ ایک راسخ اعیدہ مسلمان تھا اور عدا سے سجد عقیدت
 رکھتا تھا، اس کی عدا کی بہت کینہ تھی کہ ایک درباری
 عالم مسیح عدا سے بڑے دربار بادشاہ کے دس پر عدا مارا
 کہ وہ اس نے اپنی عداؤتوں کو خوش کرنے کے لئے ہستی

کپڑے پہن لئے تھے۔ بادشاہ نے اس گستاخی پر شیخ عبدالنبی سے کچھ نہ کہا، صرف اپنی وارہ سے سکاب لکھی اس نے اکبر کو سمجھا دیا کہ تاریخ میں اس نے سب سے بڑے کی کہ یہ وہ بادشاہ تھا جس کے دامن پر ایک دینی عالم نے لکری ماری، ابوالفضل کے سامنے یہ حالات موجود تھے، لیکن اس وقت ہی اس نے اکبر کی اس کمزوری کا اشارہ ہی لگا لیا تھا کہ وہ اقتدار کی اعلیٰ منزلوں تک پہنچنے کا حوالہ دے اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ دین و ایمان کی قربانی بھی کر دے گا۔

شیخ مبارک اور اس کے دونوں بیٹے دھن موئے کے علاوہ اسلامی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے منصوبہ کو بڑی داستمدی کے ساتھ عملی شکل دینا شروع کیا۔ بادشاہ کے دل میں انہوں نے رفہ رفہ یہ باب بٹھلا دی کہ شہشاہ کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو سرکب کا حق نہیں اور صرف حکمران ہی دینی و دنیوی امور میں ہادی و رہنما بننے کا مستحق ہے، اکبر کے خیالات اور مشائخ چشت سے جن کی دعاؤں سے وہ سمجھتا تھا اس کے بہت سے کام نکلے تھے اس کی عقیدتمندی کے پیش نظر اسلام پر حمہ کرنے کے خاص طریقے ایجاد کرنا ضروری تھا، ابوالفضل نے یہ خدمت بہت ہوشیاری اور کامیابی کے ساتھ انجام دی۔ دربار کے عہدائے بھی ہستی اخلاق اور تعصب و تنگ نظری کا مظاہرہ کر کے ان کی کامیابی کے لئے سازگار ماحول پیدا کر دیا، شیخ عبدالنبی کا

بادشاہ کے دامن پر مٹری مارنے کا ذکر دیا جا چکا ہے ایک دوسرے عام مخدوم لٹک دو دولت جمع کرنے کی شدید ہوس تھی مکان کے صحن میں قبر نما گزے لٹھوا کر انہوں نے اشرفیاں بھر دی تھیں روایت ہے کہ وہ سال پورا عویں سے قبل اپنی ساری دولت سوی کے نام خریدیں تاکہ اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو دوسرے سال کے ختم سے پہلے پھر اسے نام مسئل کر لیں ان حالات میں ذاتی ذریعہ پر حملے کر کے علما و فہما کے وٹار کو ختم کر دینا مسیحا اور فتنہ کشی کا نشان ہو گیا شخصیت وقار ختم عویں پر سربعت پر جسکے بہت لوگ نمابندے سمجھے جاتے تھے حملے کرنے میں زیادہ ذرا بے کفی۔ اوالفضل اور اس کے ہم نوا اذکر نو جی پر تھیں تھے اور شاید اس کے لئے وہ تیار بھی نہ ہوتا لٹکری اسی خصوصیات اور اوصاف سے اس کی ذات کو متعجب کیا جائے گا کہ بالآخر اسکو خود پس ہو گیا کہ وہ واقعی ایک نئے نہیں کی اسامت کے لئے مامور ہوا ہے اس کو صاحب معجزہ اس مکر صاحب شرافات لٹھا جانا لیا اس کے احوال کو حدیث نہیں لٹھے تھے مگر ان کو مرتبہ وہی دیا جا رہا تھا دسی معاملات میں اس کو صرف اجتہاد ہی کے اختیارات تھے۔ کئے تاکہ اس کا مرتبہ ہر مجتہد سے بلند کر دیا گیا اسی قسم کی دوسری تفصیلات منتخب التواریخ میں خاص طور پر اور دوسری تاریخوں میں کہیں کہیں ملتی ہیں۔ اسلام پر سب سے شدید حملہ یہ کیا گیا کہ دسی زندگی سے سب کے تصور کو خارج کر دیا گیا۔ سربعت کو جسکی سیاد بھی تصور نہ تھا "اسلام مجاری" کہ

کر آس پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ ”حقیقی“ اور ”مجازی“ اسلام کے فروغ کو انہی اعمیبت دی کہ ایک سلسلہ دین کی تشکیل مکمل ہو گئی جس میں خدا کے بعد اکبر کو جگہ دی گئی، مثلاً خدا کو سجدہ، عبودیت کا حاکم بنا دیا، بادشاہ کے لئے سجدہ، معظمی ضروری قرار دیا گیا، بادشاہ کی تصویر بکری میں رکھنا صرہ، اسباب سمجھا جانے لگا۔ اکبر کے نام کی وجہ سے السلام علیکم اور وعدیکم السلام کی جگہ اللہ اکبر اور جل جلالہ لیا جانے لگا، رسالت سے وضع مومن پر زور دینے کی عرض سے نئے دین کو یوحید الہی کا دین انہی کا نام دیا گیا۔ یہ ضرور ہے کہ دین الہی بحشت دین کے فروغ نہ پاسکا اور اکبر کے بعد لوگ اسکو پہول گئے لکن معاصرہ کے اندر اسکی وجہ سے جو رخنے پیدا ہو گئے انہوں نے ایک مستمل حشمت اختیار کر لی۔

بعض دسی رعسماؤں نے اس خطرہ کا فوراً اندازہ لگا لیا اور ملت کو اس سے بچانے کی کوشش شروع کر دی، پہلی مشہور شخصیت جس نے اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تھی، انہوں نے اپنے اسٹیک فلم کو اس کے لئے وقف کر دیا، مثال کے طور پر مدارج النبوت (جلد اول صفحہ ۳) کے مقدمہ کی طرف اشارہ کیا جا سکا ہے، جہاں انہوں نے بتلایا ہے کہ زمانہ کے حالات کے پیش نظر بے خبروں اور عامیوں کو جناب رسالت مآب کے احوال و صفات قدسیہ بیان کر کے غفلت سے بیدار کرنا ضروری ہے، دوسری

مشہور شخصیت حضرت مجدد الف ثانی کی ہے 'اپنے اپنے خلفاء' اور مکانات کے ذریعہ احنا' سرعت کی کوشش کی' لیکن جس طرح ہر ٹوٹی ہوئی چیز کو دوبارہ بنانے میں وہ لگتا ہے اس اصلاحی تحریک کو بھی طویل راستہ طے کرنا پڑا۔

اسی تحریک کا ایک عظیم ذریعہ عالمگیر تھا' اگر اس کے کاندھوں پر شہساز ہی کا بار نہ ہوتا تو شاید اس تحریک کو آگے بڑھانے کے عمومی طریقے وہ بھی استعمال کرتا' لیکن بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اس پر کچھ پابندیاں بھی اور یہ امر یقیناً قابل تعریف ہے کہ ان برسوں کے باوجود اس نے اصلاحی کام کو دوسرے انداز سے کیا' چنانچہ حضرت حکمران کے اس پر اعتراضات نہیں کئے جاسکتے' یعنی صاف اور بدوار کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی' ایک طرف تو حکمرانی کی شرائط کو ملحوظ رکھا اور دوسری طرف مصحح کا رول بھی ادا کرتا رہا۔

پروفیسر سرکار نے حزیہ کے دوبارہ نفاذ اور چند مندروں کے گرانے جانے کی مثالیں دے کر عالمگیر کو ایک نا اہل حکمران اور انتہائی معصبت شخص ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' تعجب ہے کہ انہوں نے یہ بہ سوچا کہ یہ اس کی بنیادی پالیسی میں شامل نہ تھا کہ مندروں کو گرانے جائیں، کیونکہ آج بھی متعدد فرمان ملتے ہیں جس کے ذریعہ اس نے مندروں کو جائیدادیں دیں۔ اس قسم کے فرامین کے ترجمے 'حرابل آف ہاکستان' میں شریک سوسائٹی میں شائع ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے مصنف

ایک ہندو فاضل، جنان چند رھن۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عالمگیر نے جزیرہ ضرور لگایا لیکن کہ وہ اس کی کسی ختم بھی کئے، جزیرہ کی کستور غلط تصویر مورخوں نے پیش کی ہے، یہ کہہ کر کہ یہ پول ٹیکس تھا، یعنی ہر غیر مسلم کو دیہ بڑا تھا، یہ سراسر غلط ہے، یہاں تفصیل میں دی جا سکتی، بس یہ بتانا ضروری ہے کہ عورس، چودہ برس تک کے سب بڑے، اور رُشیاں اور غلام مستثنیٰ ہے۔ اباہج اور دباہج اور دباہج اور دباہج رکھے جانے سے اسی وقت لیا جاتا تھا جبکہ ان کے پاس کافی دولت ہوئی پھاری بھی ٹیکس میں دیے جاتے تھے سوائے اس کے کہ ان کے پاس وقف وغیرہ کی زیادہ آمدنی ہوتی، اس کے علاوہ سرکاری ملازمین خواہ ان کا تعلق کسی محکمہ سے ہو جریدہ سے مستثنیٰ تھے، اب اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ صرف وہ لوگ جریدہ دیتے تھے جو جوان العمر، سدرست اور کمانے والے تھے، اگر ہم ایک خاندان اوسطاً چھ افراد پر مشتمل فرض کر لیں تو غیر مسلم آبادی کا چھٹا حصہ ٹیکس ادا کرتا تھا، پھر اس میں اباہج، بیمار، بے روزگار اور حکومت کے ملازمین کو نکال دیجئے تو میں سمجھتا ہوں اٹھواں حصہ یعنی ہر سو میں سے بارہ، تیرہ آدمی جزیرہ ادا کریں گے، پھر اس کی رقم بھی زیادہ نہ تھی، سب سے ماہوار آدمی کو سوا سوا روپے سالانہ دینے پڑتے تھے، اس کے برخلاف زکاۃ کو دیکھئے جو محفوظ آمدنی کی ڈھائی فیصد ہوتی تھی، ان بیانات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عالمگیر کی حکومت نے ایسی پالیسی کی بنیاد تعصب اور رنگ بھری پر نہیں رکھی تھی بلکہ بعض اصول اور روایات میں جن پر عمل

کرنا اس کے نزدیک ضروری تھا

جیسا کہ میں نے اسدا میں ذکر کیا ہے وہ روایات اسلامی شریعت سے متعلق نہیں جس کے سادی احکامات کو نافذ کرنا ضروری تھا یہ نہ سمجھئے کہ ان احکامات کا نفاذ صرف غیر مسلموں ہی تک محدود نہ تھا مسلمانوں کے ساتھ کچھ ایسی مراعات کی جاسی ہیں جو جائز نہ ہیں شریعت کے اثر احکامات کا تعلق مسلمانوں ہی کی رہے گی ہے ان پر بھی احتساب کا محکمہ سختی سے عمل کرنا تھا حسب یہ ہے کہ تاریخ کے طالب علم کو عالمگیر کی ان اصلاحات کا جو اس کی تنگ نظری کے ثوب میں وطن کی جاسی ہیں بہت غور سے مطالعہ کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کا پس منظر کیا ہے اور اس شہنشاہ نے ان کو کیوں نافذ کیا یہ ایک حادثہ اعتراض ہے کہ اس تعصب کی وجہ یہ بھی کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا نہ بھی صحیح نہیں کہ وہ اسی اصلاحات کے رد عمل کا احساس نہیں رکھتا تھا ان تمام مسائل پر غور کرنے اور اس کی اصلاحات کی حقیقت سمجھنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ معاشرہ میں جو بددلتاں اثر کے عہد میں واقع ہوئی تھیں اور جن کے راب رنگی کے بعض پہلوؤں پر مستقل طور پر قائم ہو گئے تھے وہ ان کی اصلاح کرنا چاہتا تھا۔

سوسائٹی اور اس کے ساتھ نظم حکومت کا ایک خاص تصور اس کے ذہن میں تھا جس کی بنیاد شریعت اسلام کے اصول

کے اس سلسلہ میں ایک اور مسیحی مذہب کے بانی نے بھی مسلمانوں کی ایک
 متحدہ مسجد بنائی تھی اس کو تہذیب و تمدن کی ترقی میں بہت اہم
 کردار ادا کیا تھا۔ اس کی اصلاحات مسلمانوں کو
 اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنانے کے لیے ضروری تھی۔ یہ سلسلہ
 اب بھی اس معاشرہ میں عام ہوا۔ حالانکہ یہ اب
 اس ریشہ اور ذہنوں کی حالت میں درج بھی ہو گیا
 و معاشرہ کی عمارت میں جو نئے نئے مورچے اس کی
 اصلاحات کو بعض دے سجدہ لہجہ کے درج کے اس باب کو
 مسخ کر دیا ہے۔ اصلاحات کی نظر میں ہندو اور مسلم کا
 فرق بنیادی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ مثلاً سماجی اصلاح کے
 سلسلہ میں سنی کے خلاف حکم دیا ایک اہم اقدام تھا۔ راہداری
 کو جو کھانے پینے کی چیزوں پر دس فیصد ٹیکس تھا اس نے حتم
 کیا۔ سوچئے اسکا فائدہ ہندوؤں کو زیادہ پہنچا یا مسلمانوں کو۔
 اور بھی اسی قسم کے محصولات جن کو عام طور پر ابواب
 کہتے تھے معاف کر دیئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ بعض وہ ٹیکس
 بھی بند کئے جو خالصاً ہندوؤں سے وصول کئے جاتے تھے۔ مثلاً
 ہر ہندو مقدس مقامات پر نہانے کا سوا چھ روپیہ معاوضہ ادا
 کرتا تھا۔ یہہ ختم کر دیا گیا۔ یہہ ذہن میں رکھئے کہ یہہ
 رقم جزیہ کی اس رقم سے دوگنی تھی جو غریب ہندو ادا کرتا
 تھا اور یہہ ہر اس شخص پر لگایا جاتا تھا جو کسی مقدس
 گھاٹ پر نہانا چاہتا تھا۔ اسی طرح جس ہندو کی لاش کو گھا
 میں پھینکنے کے لئے لے جایا جاتا اس پر ٹیکس لگایا تھا جو

اس نے بند کیا اس قسم کی اور بھی مشائش پیش کی جاسکتی ہیں، کیا عصب اور طریق کی بنیاد پر قائم ہوئے والی کوئی حکومت یہ ادا کر سکتی تھی اور اس قدر عظیم مادی نقصان برداشت کر سکتی تھی؟ بھگ کی کاشت کو سارے ملک میں بند کر دینا، طوائفوں کو مجبور کرنا کہ سادیاں لیں، شراب نوشی، جوئے اور زنا کو قانون کی نظر میں حرم قرار دیدنا۔۔۔ کسی شخصی یا ذاتی عصب کی بنا پر یہ اصلاحات جاری نہیں کی جاسکتی تھیں۔ دربار سے باخ ڈالنے کو حلا وطن کرنا، بادشاہ کو تولیے کی رسم بند کرنا اور نوروز کے جشن کو ختم کرنا، یہ سارے اقدامات ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے تھے، اور شاہشاہ کی نظر میں اسی قدر ضروری تھے جتنا کہ اہم سے اہم اصلاحی اقدام ہو سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات وہ حد سے بڑھ جاتا تھا اور سنگ نظر فقہاء کی سفارسات کو قبول کرے ہونے اسے احکام جاری کر دیتا جن کو دیکھ کر حیرت ہو جاتی تھی مثلاً سرحد کو سکا رہے ہر قیل کرادینا، حالانکہ اگر وہ ایسے قیل اندر اس روئے کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تو ان کی مشق و حرکت دریا سداں لگا کر ان کو دوسرائی سے علیحدہ رکھا جاسکتا تھا۔

عالمگیر نے صرف احکامات جاری کرنے ہی، افسوس نہیں کیا بلکہ لوگوں کی واقفیت اور فہم اور مصدق کی سہولت کے لئے دواوی عالمگیری تالیف کرائی جس کو قانون کی دیا میں اہم حثیت حاصل رہی ہے۔ بعض مورخین نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ عالمگیر اسی اصلاحات نافذ کرنے میں صرف ایک حد تک کامیاب ہوا، یہہ

صحیح ہے لیکن اس کا ذمہ دار اسکو نہیں کہا جا سکتا، ہر مصباح کے ساتھ یہی ہوتا ہے، ہمکو دکھنا سہہ ہے کہ اسکی ان اصلاحات کا مستقبل کی تاریخ پر کیا اثر ہوا، دین الہی کے موجدوں نے ہر صغیر میں اسکی اسے معاشرے کی نشاد رکھی تھی جس میں ہندو اور مسلمان، دونوں قومیں اپنی شخصیتوں کی تفریق مٹا کر ایک ہی دین کے پائندہ ہو جائیں، اس میں ظاہر ہے ہندوؤں کو اپنا مذہب چھوڑنا پڑنا اور مسلمانوں کو اسلام ترک کرنا پڑنا، اس میں کامیابی کے امکانات اس لئے اور بھی زیادہ ہو جاتے کہ دارا شکوہ اگر سخت کا مالک بن جانا تو یقیناً وہ دوسرا اکبر ثابت ہوتا، دارا کے دور حکومت میں دین الہی کا احیا لازمی تھا، چاہے اسکو نام کچھ بھی دیا جانا۔ اگر آپ دارا کے مذہبی عمائد کا جو اس کی تصانیف سے ظاہر ہو جاتے ہیں، بہ عور مطالعہ کریں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کی کوشش سے یہاں کے اکثر لوگ نہ ہندو رہتے نہ مسلمان، یہی وہ چیز تھی جو مسلمانوں کے لئے ہم قابل ثابت ہوئی۔ اسی کو عالمگیر نے سخت حاصل کر کے اور اپنی اصلاحات جاری کر کے روک دیا، یہ ہی اسکا وہ کارنامہ ہے جو تہذیب و تمدن کی عمارت میں مستقل مقام رکھتا ہے اور اسی کارنامہ کی بدولت وہ اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے حالات صحیح پس منظر میں پیش کریں، اس کی تاریخ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ان تصانیف نے اسکی شخصیت کو روشن کرنے کے بجائے مسخ کر دیا ہے، ہمارا فرض ہے کہ اس کی صحیح تصویر مکمل کرنے کی طرف قدم اٹھائیں، اس سلسلہ میں ہماری

میں نے اپنے دل سے یہ بات کہہ دی تھی کہ
میں نے تم کو اپنے ذمہ لے لیا۔

آخر میں، میں آپ کو یہ کہہ رہا ہوں کہ
میں نے اپنے پیارے دوست، میرے صاحبِ کار کی
ساتھ دوستی کی۔ "سچ" روزی کی بہت سی باتیں سنیں، جو کسی
بے شک اب سے ہیں مشہور و معروف اس لحاظ سے کہ اس کی سرکشت
پرہیزگار کارکنان دائرہ کی ہمت افزائی کی۔

اساتذہ عالمگیر

از مفتی نظام الدین شاہانی

شاہجہانی عہد میں علم و فضل کی بے حد ترقی تھی اس کے زمانہ میں آگرہ و دہلی علمی مرکز تھے ہی مگر اقطاع ہند کے بعض مشہور و اور قبول میں بھی کثرت سے درسگاہیں تھیں شاہجہاں اودھ کے علاقہ کو پورب شیراز ماستہ کہتا تھا۔ جب اورنگ زیب عالمگیر کی پیدائش ہوئی تو ان کی تعلیم و تربیت اس عہد کے منتخب علماء کے سپرد کی گئی۔ جن کے اسلوب گرامی یہ ہیں۔

مولانا عبد اللطیف سلطان پوری مولانا ہاشم گیلانی علامی سعد اللہ
نہاں قوامی بہاری مولانا سید محمد قنوجی ملا شیخ احمد عرف تاجیون
ایٹھوی شیخ عبدالقوی دانشمند فاضل لاہور و اعظم ہر لکھی۔

اب ہم ان علمائے کرام کے حالات پیش کرتے ہیں۔

مولانا عبد اللطیف سلطان پوری

نقد و تحریر اور علمی تحقیق میں یگانہ نہ تھے۔ (بزم تیمور یہ ص ۲۱۶)۔ در معقولات
و منقولات ہمارے تمام داشت۔ (تذکرہ علمائے ہند) داراشکوہ اور اورنگ زیب نے
ان سے تمنا اختیار کیا آخر میں بصارت جاتی رہی تھی شاہجہاں نے ان کو خطابات عطا
کئے۔ وطن میں دکن و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ عتذہ میں انتقال ہوا۔ تاریخ

آفتاب علم را آدکسوف (مقدمہ رقعات عالمگیر ص ۱۷۵)

مولینا ہاشم گیلانی

میر محمد ہاشم خلف میر محمد قاسم گیلانی است، مدت دوازدہ سال در حرمین شریفین بودہ منقولات را از شیخ محمد عربی محدث و شیخ عبدالرحیم حسانی طاعلی بنبرہ ملا عصنام الدین مستشہر و منقولات را از میر نصیر الدین حسین پسر زادہ میر غیاث الدین منصور و مرزا ابراہیم ہمدانی فرا گرفته بہندوستان آمد، ادیب و ریاضی نزد سراسر اطباء حکیم علی گیلانی ورزیدہ چند سہ در آمد آبا نجرات بہتر ریس مشتغل بود، چوں دانائی او در فہم انخائل خصوصاً طب بعرض اقدس رسید، حکم شد کہ ہماں بلکہ بہ خدمت صدارت و طبابت بہ پردازد پس از انقضائے مدت لازم عبودیت سہ سہینہ آشتہ با مرغانانی شرف تعلیم اختر برج سعادت بادشاہ زادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریانت و اکنون در ملازمت آن والا گوہر کامیاب ست بہ تفسیر بجاوی حاشیہ نگاشتہ (عبدالحمد جلد اول حصہ دوم ص ۱۲۵ - ۱۲۶)

شیخ احمد عرف ملا جیون امیٹھوی

امیٹھی مضامینات لکھنؤ سے ایک مردم خیر بستی تھی حضرت بندگانِ نظام الدین عثمانی کی وجہ سے اس قصبہ کی بہت شہرت ہے، ملا جیون کاسکن و مولد یہی قریہ ہے آپ کے والد کا نام ملا ابوسعید تھا جو محمد دوم شیخ تارا الحق کی اولاد سے تھے جن کا سلسلہ نسب عبد اللہ علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ملا ۲۵ شعبان ۱۲۸۴ھ میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی تکمیل حضرت شیخ محمد مادیق سترگھی سے کی وہ
 قطبِ وقت تھے سلسلہ چشتیہ میں آپ نے سند اجازت فی ۲۲ سال میں فراغت حاصل
 کر لی، آپ کے ماموں سید عبداللہ امیشوی معروف بہ نواب عزت خاں اورنگزیب
 عالمگیر کے عہد میں میرانش تھے چنانچہ آپ بچہ چالیس سال دلی پہنچے اپنے ماموں
 کے ذریعہ عالمگیر سے ملے، انہوں نے ان کو درباری علماء میں شامل کر لیا، ان سے
 استفادہ بھی کیا اس بناء پر ان کو استاد الملک کا خطاب دیا اور ایک لاکھ ساٹھ
 ہزار کی جاگیر مدرسہ کے لئے عطا کی۔ ۵۵ برس کی عمر تھی کہ آپ دہلی سے دکن
 گئے سورت آئے، یہاں سے زیارت حرمین شریفین کے لئے حجاز گئے ۵ برس
 مقیم رہے، پھر یہاں سے واپس دکن ہوئے چھ سال تک شکر معالیٰ عالمگیری میں مقیم
 رہے بادشاہ دیں پناہ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں ۱۱۳۷ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۶۶
 سال کی تھی بادشاہ سے اجازت لے کر حرمین شریفین پہنچے دو سال قیام کیا۔
 ایک حج بدل والد کے لئے دوسرا والد کے لئے ادا کر کے پھر دکن لوٹ آئے ۱۱۳۷ھ
 میں دکن امیشی آگئے یہاں دس دس دس کا سلسلہ جاری رکھا۔ محمد معظم کے
 پہلے سنہ جلوس میں طلباء کو ہمراہ لے کر دہلی آئے اس وقت عمر ملا صاحب کی ۷۲
 سال کی تھی۔ محمد معظم دکن سے واپس اجبر آتے میں ملا صاحب نے ان سے ملاقات
 کی اور ان کے ہمراہ لاہور گئے اور کچھ عرصہ وہیں مقیم رہے، محمد معظم شاہ عالم اول
 نے انتقال کیا تو یہ دہلی آگئے فرخ سیر کے عہد تک مقیم رہے۔

دلی میں تاریخ ہفتم ماہ ذیقعدہ ۱۱۳۸ھ بروز دوشنبہ انتقال فرمایا
 یہاں سے نعش امیشی لے جا کر، محرم ۱۱۳۹ھ کو دفن کی گئی۔

قطعاً تاریخ

چور علم آل مولائے اعظم بہ احمد عرف جون شد معظم

جہاں را روشنی زان شمع دیں بود بعلم ظاہر و باطن مسلم
چو رحلت کرد در ذیقعدہ بوصل دوست خود گشت مکرم
بتارخیش خرد و ادا بجو شتم نذا د کامل و فیاض عالم
(الناظر یکم اگست ۱۹۱۵ء ص ۴۵)

علامہ صاحب نے ۱۳ برس کی عمر سے تصنیفی سلسلہ شروع کر دیا تھا، آداب احمدی
در سیر سلوک ۱۲ سال کی عمر میں تفسیر احمدی لکھی، ایک مثنوی بطرز مثنوی مولانا روم
بچپن ہزار اشعار چھ دفتر میں ہے، لکھی۔ ایک دیوان پانچ ہزار اشعار کا مجموعہ عربی
زبان میں، ایک قصیدہ ۲۲۰ اشعار کا بروزن قصیدہ بردہ تصنیف کیا۔ مدینہ منورہ
کے قیام میں نورالانوار شرح معانی لکھی اور ہزار قدس سرور کوئٹہ کے حضور پیش کی
رسالہ تصوف، مناقب الاولیاء یہ آپ کی یادگار سے ہیں۔ نورالانوار اور تفسیر احمدی
بہت مقبول ہوئیں۔

علامہ مہین بہاری

محی الدین نام تھا نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا شیخ شاہ حیدر بنیرہ
علامہ شیخ وجہ الدین گجراتی سے شرف بیعت کیا شاہجہاں کے دربار سے متعلق ہو گئے
عالمگیری کی تعلیم کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ ہجرت ۸۴۳ھ سنہ ۱۴۳۰ء میں واصل
بجق ہوئے۔

مولانا سید محمد قنوجی

ادب و دیبانی کے ماہر تھے احیاء العلوم عالمگیری نے ان سے پڑھی۔ فتاویٰ عالمگیری
کی تدوین میں شریک رہے ۱۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ (بزم تیموریہ ۱۷۲۴ء)

شیخ عبدالقوی برہان پوری

اورنگ زیب نے ان سے بھی استفادہ علمی کیا، برسر حکومت ہوئے تو استاد کو ہزار ہا نقدی کا منصب عطا کیا اور اعتماد خاں خطاب دیا۔ سرمد کے قتل میں انکی سعی کو دخل ہے۔ یہ قتل ہوئے، تفصیل بزم تیموریہ میں دیکھئے۔

ملاشیعیائی بزدی

دانشمند خاں خطاب تھا۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے مناظرے کے زمرہ ملازمین شاہجہاں سے تھے۔ مانگیر نے خاص کتب ان سے پڑھیں۔ جب فرمانروا ہوئے ان کو بیچ ہزاری منصب عطا کیا۔ مشعلہ میں انتقال فرمایا داتا الامراء جلد ۲ ص ۳۲ و بزم تیموریہ -

علامی سعد اللہ خاں

علامی چنیوٹ کے ایک کاشکار امیر بخش کے صاحبزادے تھے عزت میں علوم و فنون کی تحصیل کی صاحب فضل و کمال تھے موسوی خاں صدک کل کی سفارش سے دربار شاہجہانی سے منسلک ہو گئے اپنی اعلیٰ قابلیت سے ترقی کرتے ہوئے بہت ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے علامی و فہامی کا خطاب پایا۔ وزارت کے منصب پر سرفراز رہے۔ ان سے بھی مانگیر نے استفادہ علمی کیا۔ (عمل صالح ج ۲ ص ۳۶)

ملا ابو الواعظ ہرگامی

ملا ابو الواعظ ابن قاضی صدر الدین ہرگامی کے متعلق مولانا فضل امام تراجم فضلا میں لکھتے ہیں کہ "از اساطین علماء دارالین فضلا و بود در جمیع علوم دست گاہے بلند و قدرے تمام داشتہ۔ ملا از استادان عالمگیر بادشاہ اند و در تالیف فتاویٰ عالمگیری شرکت داشتہ۔" (تراجم فضلا ص ۱)

مُغْلُوں کی جنگِ جانشینی کا مذہبی پہلو ۱۶۵۷ء

از: ڈاکٹر افتخار احمد سلیم - اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

ترجمہ شہناز الحق ایم اے

یہ ان اتہائی خوں ریز جنگوں میں سے ایک تھی جو تاریخِ اسلام کے کسی دور میں جانشینی کے مسئلہ پر لڑی گئیں۔ اس موقع پر پادشاہتِ قرابتِ دہلی سے نا آشنا ہوتی ہے، کا مقلوہ پوری طرح صادق آیا۔ اور خونِ بانی سے زیادہ مکثیف ہوتا ہے۔ کا اصول کیلئے غلط ثابت ہو گیا اس تنازعہ کے دوران جس قدر راکتِ جہن ہو اس کے بارے میں اخبار بہت مختلف اور متضاد ہیں۔ پھر بھی جس تعداد پر مشیر لگوں کا اتفاق ہے وہ پچاس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس لڑائی میں جس چیز نے درندگی کا بڑا عنصر پیدا کر دیا وہ دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے مذہبی عقائد کا اختلاف تھا جس سے اس تنازعہ کو جو پہلے ہی سے گہرے ذاتی اختلافات کی بناء پر کالی شدت اختیار کر چکا تھا اور بھی خونی اور ہشت انگیز بنا دیا۔ اہل سنت و جماعت جو ہندی مسلمانوں میں اکثریت رکھتے تھے ان کی کثیر تعداد نے دارا شکوہ کے معاد کو بگاڑنے اور اورنگ زیب کو تقویت پہنچانے میں بڑا کردار ادا کیا:

زیرِ تذکرہ لڑائی میں اس سب سے اور بھی شدت پیدا ہو گئی کہ اسلام نے کبھی بھی بادشاہی نظام کو تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے اس میں جانشینی کے لئے کوئی اصول وضع نہیں کیا گیا۔ خلافت

کے لئے جانشینی کے مسئلہ پر انتخاب کا نظریہ اسلام کی جدائی مارخ میں صرف چند یوم تک جاری رہا۔ امویوں نے سب سے پہلے اس کو رد کیا اور مغسوں نے اس پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انہوں نے اس کو نظریہ کی حد تک بھی قائم نہ کر کے بالکل ترک کر دیا۔ مغل اپنے ذاتی اجتہاد سے اس اصول پر کار بند تھے کہ تخت کا وارث سب سے بڑا بیٹا ہو۔ تاہم اس سے انحراف کرنا اور بھی آسان ہو گیا۔ اس تنازع کے فریقوں نے خیال کیا کہ جانشینی کی جنگ بڑھ کر وہ کسی مذہبی اصول کے خلاف ورزی نہیں کر رہے ہیں اسی لئے ایک دوسرے کے خلاف جنگ پیکار کے لئے ان کی ہمتیں اور بھی بڑھ گئیں۔

داراشکوہ اور اورنگزیب کے مابین مذہبی اختلافات

یہ ممکن نہیں کہ داراشکوہ کا کوئی حامی یا اس کی جانب سے معذرت خواہی کر سکیں۔ شخص اس بات سے انکار کرے کہ داراشکوہ اور اورنگزیب کے مابین مذہبی اختلافات نہیں تھے۔ دارا کی شروع کی دو کتابوں سفینۃ الاولیاء (جلد ۶) اور سکینۃ الاولیاء (جلد ۴۲) کی بنیاد پر جو اس کے اوائل شباب کی تصنیفات تھیں یہ بات بھی جاتی تھی کہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور صوفیہ اور ادیب و اللہ کا پر جوش عقید اور پیرو کار ہے۔ اس کی تیسری کتاب 'طریقۃ الحقیقت' نے یہ بات واضح کر دی کہ 'صانیت کے عقیدے کے خلاف وہ ہدایت کے نظریہ کا حامی ہو گیا ہے لیکن فی الحقیقت "حسنۃ احارمین" (۱۶۵۲ء) وہ کتاب تھی جس سے واشکاف طبع پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ توحید و جود کی کے عقیدے کو سینہ سے لگائے ہوئے ہے۔ اس کے س اعلان نے کہ وہ ننانی اللہ کے مرتبے پر فائز ہو چکا ہے ہذا اس کو نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے سنی مصاحبوں میں کافی اشتعال پیدا کر دیا۔ سرمد سے جو ایک مست فقیر اور آرمینیا سے آیا ہوا ایک وارستہ مزاج یہودی تھا اور ہمیشہ برہنہ رہتا تھا اس کی دوستی سے راسخ عقیدہ

مسلمانوں میں نفرت اور غم و غصہ کا جذبہ عام کر دیا۔ اس کے رام چند رثانی بننے کی شدید خواہش سے جو اس کی تصنیف "یاگ و شتا" کے مقدمہ سے ظاہر ہوتی تھی نیز اس کی اس انگوٹھی سے جس پر ہندی میں غلط "پردھو" کندہ تھا اس کے ہندو مساجد میں کچھ مسلمان ہوئے ہوں تو ہوئے ہوں لیکن اہل سنت و جماعت کے لئے یقیناً یہ بات پسند نہیں تھی۔ دانیالیکہ تحت نشینی کے معاملہ میں ان کی حیثیت ایک اہم ترین کی سی تھی۔ اُس کی دو کتابیں جن کے نام مجمع البحرین اور سر اکبر تھے تاریخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ استعمال انگیز تھیں کیونکہ ان کتابوں میں اس نے دین اسلام کو جو دعائیت کا مذہب ہے ہندو مت کی سطح پر پہنچا دیا تھا جو ایک ایسا مذہب ہے جس میں بت پرستی اساس دین ہے۔ داراشکوہ محض ان علمی مباحث میں ہی مشغول نہیں تھا بلکہ اپنے مختلف افعال و اعمال کے ذریعہ ہندوؤں کو خوش کرنے کی سعی و جہد میں لگا ہوا تھا۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کی مثال جب کہ کسی سامان نے بت پرستوں کے کسی عہد کو کوئی نذر پیش کی ہو نہیں سکتی۔ لیکن داراشکوہ نے متھرا کے مقام پر واقع کیشورائے کے خوبصورت مندر میں تھہر کی باڑھ لگوائی تھی۔ ہندو زائرین پر جو ٹیکس شایمیاں نے عائد کیا تھا وہ داراشکوہ کے مسلسل اصرار پر ختم کر دیا گیا تھا۔ مسلمان امراء اکثر چھوٹے پانچوں کا پانچواں پہنچتے تھے داراشکوہ اس لباس کا مذاق اڑاتا اور علانیہ ان لوگوں سے اظہار نفرت کرتا تھا۔ جو یہ لباس زیب تن کرتے تھے۔

غرض داراشکوہ نے عجیب طرح کی شہرت حاصل کی تھی وہ یقیناً ایک بوجھ افروز شخص سمجھا جاتے تھے۔ جو مسلمانوں میں وہ کرملان، ہندوؤں میں ہندو اور عیسائیوں میں عیسائی تھا۔ اس کے علمی مباحث اور ہندو توار باپسی کی وجہ سے سنی مسلمان

اس کے مخالف ہو گئے جس کے سبب توازن قائم رکھنے کی غرض سے اس نے ہندوؤں کے ساتھ دوستی کے لئے سلسلہ جنابی شروع کر دی جو اول الذکر طبقہ کے دل میں اس کی طرف سے اور بھی نفرت پیدا کرنے کا جو بیانیہ۔ اس کے برعکس اسلام کے سچے اصولوں کے ساتھ اور رنگ زیب کی وابستگی کے بارے میں کبھی بھی کسی شخص نے شبہ کا اظہار نہیں کیا وہ ایک سستی مسلمان تھا اور اس فقہ پر سختی سے عامل تھا جس کو مس حضرت امام ابو حنیفہؒ تھے اسلام کے ظاہری اصولوں کو ماننے میں وہ شدت کا مظاہرہ کرتا وہ تمام راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے ایک ناقابلِ تقلید امر تھا۔ دارا شکوہ سے اس کے سخت مذہبی اختلافات تھے اور وہ کھلم کھلا اس کو ان القاب سے نوازتا تھا۔

”محدث بے دین، دشمن دین مبین، رنگ از مسلمانی نہ داشتہ“

ایک ایسے دور میں جب مذہب اقدار حیات میں اہم درجہ رکھتا تھا مسلمانوں کے دینی جذبات سے اہل کرنا کسی طرح رائیگاں نہیں جاسکتا۔

ستمبر ۱۶۵۷ء میں جب شاہجہاں بسترِ علالت پر اترتا تو دارا شکوہ نے شہنشاہ کی جانب سے یہ نادر شاہی حکم جاری کیا کہ سلطنت بجا پور سے جمہد اختلافات بلا تاخیر و توقف ختم کر دے جائیں اور تمام شاہی افواج فوراً آگرہ واپس ہو جائیں۔ یہ حکم دکن میں ادرنگ زیب کی قوت اور اس کے دھڑے برائے ایک تازیانے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس حکم نے باوجود اس فواہ کی بھی توثیق کر دی کہ شاہجہاں حقیقتاً فوت ہو چکا ہے۔ اور دارا نے شاہی افواج کو فوری واپسی کا حکم محض اس لئے دیا ہے کہ وہ اپنی ذاتی قوت میں اضافہ کر سکے۔ ان باتوں نے پیش نظر ادرنگ زیب نے مذہب کا واسطہ دے کر شاہی افواج سے درخواست کی وہ واپس ہو کر دارا جیسے متحد اور دین کی قوت میں اضافہ کا سبب نہ ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرکز کے بیس مسلمان افسر رہنے

شہابی افواج ہ ساتھ چھوڑ کر اورنگ زیب سے تعلق قائم کر لیا۔ اس موقع پر کسی ہندو افسر نے شاہ پسندوں کا ساتھ نہیں چھوڑا یہی بنیں بلکہ بیگانہ کے راؤ کرن نے جو دکن میں شہزادہ اورنگ زیب کی افواج کا ایک اہم رکن تھا اور جو داراشکوہ کے ان استبدادی احکام سے بڑا ت خود متاثر بھی نہیں ہوا تھا اپنے آپ کی وفات ترک کر دی۔ اور براہ راست آکر پہونچ کر داراشکوہ سے مل گیا۔ یہ عدوس علی کی یکمین شل تھی۔ چنانچہ، بکیرنہ اس کے اس غلط طریقہ عمل پر شب و شام سے پڑتے۔

جب تخت نشینی کے لئے جنگ قطعاً گزیر ہوئی تو اورنگ زیب نے داراشکوہ کے خلاف اس دور کے علماء اور مشائخ سے مذہب کے نام پر اپیل کی۔ بننے والے زمین ہوار کرنی شروع کر دی۔ علماء جو دارشین پیغمبر کے جاتے ہیں فی الجہد اورنگ زیب کے طرفدار ہوئے۔ اورنگ زیب کے معاصروں اور ساتھیوں کا جائزہ لینے سے یہ امر اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ اس کے طرفداروں میں اکثریت اہل سنت و جماعت کی تھی، وہ یا تو سنی علماء تھے یا سنی امراء اس کے ساتھیوں میں سند و اقل قلیل کا درجہ رکھتے تھے۔ پھر بھی اس کی فوج میں شہور اور آزمودہ کار جنرل مفقود تھے۔ اس کا لشکر درحقیقت غیر معروف اور اوسط درجہ کے افراد پر مشتمل تھا اگرچہ خود خود اورنگ زیب اور مراد کو مستثنیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

داراشکوہ کی فوج کے انتہائی مشہور اور آزمودہ کار سپاہیوں سے اس طرح کے لوگوں کی زور آزمائیاں اس امر پر دال ہے کہ یہ فی الحقیقت اس کے سرداروں کا ہوش اور جذبہ ہی تھا جس نے ان کی فطری کمزوری کو دبایا اور ان کو داراشکوہ کی فوج کے ان تجربہ کار

۱۔ تاریخ شاہجہان محمد صادق۔ پرنس میوزم قسطنطنیہ دہلی ۱۹۵۷ء۔ صفحہ ۵۵۔ ۲۔ یک اہم ماخذ میں نامک سنو کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ ۳۔ مامبر۔ ص ۵۹۸۔ ۴۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ ۵۔ شاہجہان کے بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ ازبکستان سے غوری۔ ۶۔ سورہ شہدہ۔

سپاہیوں کے مد مقابل لاکھڑا کیا جن میں راؤ ستار سال باوا اور رستم خاں فیروز جنگ جیسے جنرل موجود تھے۔

جنگ دھرمت میں خفیہ سازش - اپریل ۱۶۵۸ء

اس جنگ میں دونوں فریقوں (یعنی اورنگ زیب اور داراشکوہ) کے مسلمان سپاہیوں کو نہایت خفیف نقصانات پہنچے۔ البتہ دارا کے طرفدار ہندوؤں کو نقصان عظیم برداشت کرنا پڑا۔ دارا کے ساتھیوں کا کم خاں اور نصیری ناکے طرز عمل نے یہ بات واضح کر دی کہ ان کے قلوب اورنگ زیب کے ساتھ تھے۔ اگرچہ جسمانی طور پر وہ دارا کی جانب سے شریک جنگ تھے۔ دارا کی طرف محض ایک مسلمان افسر ایسا تھا جو اس جنگ میں بہادری سے لڑا اور وہ تھا اس دور کا مشہور شیعہ افسر افتخار خاں۔ دھرمت کی فتح کے فوراً بعد اورنگ نے اپنے اس تمام پر ایک مسجد ایک سرسرا، ایک مینار تعمیر کئے۔

جنگ ساموگڑھ مئی ۱۶۵۸ء

داراشکوہ کے مسلمان ہمراہی اس کو اکثر غلط مشورہ دیتے تھے جس کا فائدہ اورنگ زیب کو پہنچتا تھا۔ مثلاً شائستہ خاں کا شاہجہاں کو یہ مشورہ دینا کہ وہ خود ساموگڑھ کی لڑائی میں نہ جکا درحقیقت اس غرض سے تھا کہ اس سے انجام کار اورنگ زیب کو فائدہ ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ ساموگڑھ کی جنگ میں کوئی خفیہ سازش نہیں ہوئی۔ دونوں فریقوں کی جانب ایسے مضبوط کردار کے لوگ شامل تھے جن کو توڑا جاسکتا تھا مگر مڑا نہیں جاسکتا تھا۔ دارا کے طرفدار اچوت اور اس کے شیعہ مسلمان جین نے اپنے پیرو کو کامیاب بنانے میں زمین و آسمان ایک کر دیا۔ لیکن اورنگ زیب اور مراد کی اعلیٰ فوجی قیادت کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔

اس جنگ کا سب سے اہم نتیجہ یہ نکلا کہ اورنگ زیب کے تخت طاؤس پر قدم رکھتے ہی مسنی عقیدہ اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔

اورنگ زیب کی شخصیت

مشہنشاہ اورنگ زیب مالگیر کی شخصیت کے ساتھ مختصر وقت میں کوئی انصاف نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بادشاہ جس نے تقریباً نوے برس عمر پائی، پیدائش سے موت تک سپاہیانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ اس کے علاوہ نصف صدی سے زیادہ کے دور حکومت میں اتنے واقعات ہوئے کہ ہر ایک کے اسباب و نتائج پر غور کی جائے اور ان سے بادشاہ کی شخصیت کا اندازہ لگایا جائے تو دفتر کے دفتر درکار میں خوش قسمتی سے اس دور میں مہمیں اور دیگر سفر اس قدر ہوئے کہ ہر موقع کی تفصیل موجود ہے جن واقعات اور حالات سے دشمنوں نے برائی کے پہلو نکالے اور مالگیر کی شخصیت کو بدنام کرنا چاہا انہیں سے اس کی بریت ہو سکتی ہے۔

ایک بچہ جو باپ کے ایام جلا وطنی میں پیدا ہوتا ہے اتنا ہر دست عام باطل، فحشی، سپاہی، سیاست دان، ادیب اور روایات وراثت ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں تاریخ میں دوسرا کوئی نہیں ملتا۔

جو لوگ اورنگ زیب پر الزامات لگاتے ہیں وہ نہیں سوچتے کہ جب وہ پیدا ہوا تو اس کا باپ خرم، جہانگیر کے عتاب سے تھا۔ اس دور میں شہزادہ بددلتی کی حالت میں چلا بچھڑا اس نے وہ کمال حاصل کیا کہ تقریباً دس ہزار خطوط فارسی کی اس سے اماں ہیں اور ان میں نہ صرف زبان کی چاشنی پائی جاتی ہے بلکہ وہ گونا گوں معلومات کا خزانہ ہیں اور آئین جہاندار کا

اخلاق اور اسلامی تعلیمات کا بحر ذخار ہیں۔

اس کے علاوہ بچپن ہی میں اس شہزادہ کو باپ کے عتاب سے دو چلہ ہونا پڑا اس کے باوجود کسی موقع پر اس نے ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اگرچہ شفقت پروری سے محروم تھا تاہم خود بہ نفس نفیس بات کی خاطر دردِ بھائی میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی۔

تخت نشینی کی جنگ کے علاوہ کسی موقع پر اس کے ظلم و ستم کا ثبوت نہیں ملتا۔ بچپن میں باپ کی طرف سے محبت نہ ملی بھائیوں سے ہمیشہ ان کو فریب یا لیکن ان کے کردار میں کہیں دھوکہ فریب نظر نہیں آتے۔

اس دور میں ہمیشہ دلی زبان سے اس نے یہی آواز نکالی

گر تو اسے گل گوش بر آوازِ ببل می کنی

کارِ مشکل می شود ہر بے زبانِ چین

بچپن کی غلطی میں شہزادے نے اپنے گرد و پیش پرکاشی غور و خوض کیا تو پتہ چلا کہ لوگ عیش و عشرت میں مشغول ہیں اکبر اور جہانگیر کے عہد سے ہندوئی طریقہ اختیار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور دارا شکوہ نے تو عہد ہی کر دی جو گیوں اور سادھوؤں کے پھندے میں پھنس کر کرشن اور رام پھندہ کی طرح اوتار بننے کا ارادہ فرمانے لگے عالمگیر کے سینے میں ایک مسلمان کا رسول اللہ سے محبت کرنے والے مسلمان کا دل تھا چنانچہ اس نے امانتِ خداوندی کو پیٹار کی طرح اٹھایا اور اسلام کا ہندوستان میں از میر نو احیا کیا۔

چنانچہ ہم ذیقعد ۱۰۲۷ھ کے تقویم رقمطراز ہے کہ۔

”چونکہ میراجیاباب تم سے راضی ہے بیشک سلطنت تم کو ملے گی۔ ہمارے بزرگوار اعلیٰ حضرت کی رضا مندی میرے شامل حال نہ تھی گیوں کہ وہ دارا شکوہ کے

مرد ٹھارتھے اور ہندوؤں کی حاجت اور بے ایمان جوگیوں کی دوستی میں مبتلا تھا۔ محض سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی انانیت فتح کا سبب بنی۔

حکومت حاصل کرنے کے بعد پچاس سالہ دور میں ہزار باسٹھ اسی جن کا بادشاہ نے اپنے تدبیر ہمت، استقلال اور بہادر کاستے مقابلہ کیا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس عظیم انسان کے کردار پر کوئی حرف نہیں آیا جو آئیں جہاں بانی شریعت اسلامیہ ماخوذ ہے اسی نے رقعات میں اس کی تعلیم دی۔ اور اسی پر براہِ عمل میرا رہا۔

پچاس سالہ حکومت کرنے والوں میں اکبر الزیتجہ اول، ملکہ وکتوریہ وغیرہ ہیں اتنے طویل عرصہ میں سیکڑوں نشیب و فراز آتے ہیں لیکن عالمگیر کا دور حکومت سب سے زیادہ امتیازی شان رکھتا ہے اس نے چند اصولوں پر زندگی گزار لی اور ان ہی اصولوں پر حکومت کی۔ اگر بے تعصبی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ عمل طور پر کامیاب مسلمان حکمران تھا۔

اب میں خانی خاں کی منتخبات باب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں جن سے اورنگ زیب کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ایک سو درخ ہے جو واقعات لکھتا ہے لیکن بادشاہ کا حامی نہیں ہے اس کے باوجود موقع بے موقع اس سے تعریف ہو جاتی ہے۔

راجہ جسونت سنگھ نے جب پہلی بار حملہ کیا تو بڑا شدید حملہ ہوا اور لوٹ مار مچتی عالمگیر ہی کا طرف اور حوصلہ تھا کہ اس قیامت کے ہنگامہ میں وہ سنبھل گیا اور دتار کی پٹان بنا ہوا اپنی جگہ کھڑا رہا اس کے رویہ میں تغیر اور سرسبکی کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں دکھائی دیا بلکہ وہ یہ سارے احکامات نافذ کرتے اور تدبیر کرتے ہوئے نہایت خوشدل اور شائش نظر آ رہا تھا۔ کم حوصلہ لوگوں کی طرح نہ تو اس نے جیو دماغی کا مظاہرہ، نہ بغیض غنہ بظہار کیا، نہ کوئی اس کی زبان سے تند و تلخ فقرہ نکلا بلکہ نہایت اطمینان مگر بڑے حکیمانہ انداز

میں وہ بھی انتشار کو دیکھنے اور پر ائندہ جمعیت کو اکٹھا کرنے میں مصروف رہا اس کی جگہ دوسرا کوئی ہوتا تو یہ معلوم بدحواسی میں کیا کچھ کر گزرتا۔ مگر عالمگیر نے اس واقعہ کو اپنے لئے نیک فائدہ ہی تصور کیا۔ چنانچہ وہ کہا کرتا تھا اللہ کا شکر ہے کہ اس ذریعہ سے دوست دشمن، موافق و منافق کی پہچان ہوگئی اور اس کسوٹی پر ہر ایک کا کھوٹا کھرا معلوم ہو گیا اس لئے ہم تو اس واقعہ کو عطیہ الہی اور وسیلہ کارائی سمجھتے ہیں اور جو کوتاہ اندیش منافق اس واقعہ کو غنیمت کا غلبہ تصور کر کے اس کے لشکر میں چلے گئے ہیں وہ اس کا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

اس موقع پر ایک سرت جنگی ہاتھی سر پر چلا آ رہا تھا اگر بادشاہ کے عزم اور استقامت کا یہ حال تھا کہ وہ ایک ایسے کچھلے ہاتھی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا بلکہ اس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈلوادیں اور بندوق سے سامنے والے نبل بان کو اڑا دیا۔
داراشکوہ سے مقابلہ کے بعد غانی خاں قسطنطنیہ میں۔

عالمگیر اجیر کے آستانہ پر | بادشاہ عالمگیر کے ساتھ تائید الہی تھی کہ ان چار جنگوں میں ایسے بہادر جنگجو دشمنوں کے مقابلہ میں

کامیابی حاصل کی اور نازک سے نازک وقت میں اور بڑے سے بڑے حادثہ میں وہ ثابت قدم رہا۔ اور دشمن کے غالب آ جانے کے باوجود اس کو شکست دے کر بھگا دیا جب اس کو داراشکوہ کے فرار اور فتح پانے کی خبر ملی تو سجدہ شکر بجالایا شاہ نواز خاں اور شیخ میر کے واقعہ پر بڑے افسوس کا اظہار کیا۔ اور حکم دیا کہ دونوں کو مصرت خواجہ معین الدین جشتی کے مدفن میں لے جا کر دفن کریں۔

فتح کے بعد عالمگیر خواجہ صاحب کے مزار پر گیا اور وہاں کے خدام کو انعام و اکرام دے کر کوچ کیا۔ اور آنا ساگر کے کنارے تین چار دن کے لئے چھاؤنی ڈال دی یہاں سے راجہ جے سنگھ کو ایک لاکھ روپیہ اور بہادر خاں کو تیس ہزار روپیہ عنایت کر کے

دونوں کو دارالحکومہ کے تعاقب کے لئے مقرر کیا اور ان کو غاصت، گھوڑا، ہاتھی وغیرہ اعزازات سے نواز کر رخصت کیا۔

بادشاہ نے رفاہ عام کے مد نظر راہداری اور پانڈری کے محصول معاف کر دیے۔ راہداری کا ٹیکس ہر راستہ پر اور سرحدوں گھاٹوں پر وصول کیا جاتا تھا اور اس کے تحت ایک بڑی رقم سرحدی خزانہ میں جمع ہوتی تھی۔ پانڈری وہ محصول تھا جو ماپانہ اور سالانہ کے حساب سے کرایہ زمین کے نام سے وصول کیا جاتا تھا۔ ہنرمند اور قصاب، لال، ہنری فرکشس، بزاز، جوہری، صراف، بازاروں میں جہاں جہاں دوکان لگانے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے یہ محصول سرکار میں جمع کراتے تھے۔

تاریخ دہلی کے پاس عموماً پوری تاریخ سلسلے ہوتی ہے۔ اور وہ کہیں کہیں سے واقعات لے کر اندازہ لگاتا ہے۔ حالانکہ انسانی زندگی بڑی عجیب و غریب رفتار سے حالات و واقعات میں گھل مل کر محو خرام رہتی ہے۔ اور کوئی جگہ میں آسانی سے رائے قائم نہیں کر سکتا۔ کہ کس وقت کو سائنل سمجھ تھا، اور اسکی ذمہ داری کس پر تھی۔

دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان پوری زندگی کسی خاص اصول کے تحت گزارتا ہے یا نہیں۔ اس لئے جو لوگ اصول پر مڑتے ہیں وہ یا شہید ہوتے ہیں یا نازی یہ مرتبہ اسی کو اسی ہے جو خود غرضی اور نفس پرستی سے مبرا ہو۔ ہم اس عظیم المرتبت شہنشاہ کی زندگی سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ وہ غازی تھا۔ عادل، عالم، امیر، بہادر، مجاہد تھا۔ جس نے اصولوں پر اساسی سلطنت قائم کی اور تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

عالمگیر کے کردار و عمل کا تجزیہ

خطوط کی روشنی میں

آنند روغ ملوی کا کوہ روٹی

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط نہ صرف شاہجہاں کے نام بلکہ دوسروں کے نام کثیر تعداد میں محفوظ اور طبع شدہ موجود ہیں جو ادبی اعتبار سے ہی اہمیت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان سے زمانہ کے واقعات و حالات پر پوری روشنی پڑتی ہے خصوصاً اس وقت جب اس کے خطوط کا خود شاہجہاں اور اس کے دوست بیٹوں کے خطوط کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

شہنشاہ عالمگیر پر انگریز مورخین نے سخت اعتراضات کئے ہیں۔ اس کو فاعصب اور متعصب قرار دیا ہے، اور عرصہ دراز تک عالمگیر کو لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اس وجہ سے بھی کہ معاصر مورخین مثلاً غانی خاں اور مؤلف آثار الامراء وغیرہ خدا جانے کیوں عالمگیر سے خوش نہ تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ انصاف اور غیر جانبداری نہیں برتی اس صدی میں سر جادوناٹھ سرکار نے عالمگیر کے حالات میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر تاریخ میں ایک بیش قیمت باب کا اضافہ کیا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ بھی تعصب سے خالی نہیں۔ نیز اسی صدی میں عالمگیر کے حالات پر متعدد کتابیں لکھی گئیں اور تحقیق

نے اس کے کردار و عمل کے تاریک گوشوں کو روشن کر دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی کے سفاین چودھری نبی احمد مرحوم ڈی۔ ایس۔ پی۔ کی وقائع مالگیر تاریخ میں بیش قیمت اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سید نجیب اشرف ندوی دارالصفین اعظم گڑھ نے رقعات مالگیری کی پہلی جلد شائع کی ہے اور جیسا انہوں نے اس جلد کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے اس کے چار مزید حصے شائع ہونا باقی ہیں اس کتاب میں نہ صرف مالگیر کے کثیر خطوط موجود ہیں بلکہ کچھ خطوط شاہجہاں، دارالشاہ، شجاع مراد بخش اور شاہزادی جہاں آرا بیگم وغیرہ کے بھی موجود ہیں جن کی مدد سے اس زمانے کے سیاسی و تاریخی حالات پر بہت زیادہ روشنی پڑتی ہے اور مالگیر کا کردار و عمل آئینہ ہو جاتا ہے اور وہ تمام الزامات جو اس پر لگائے جاتے ہیں غلط ثابت ہوتے ہیں

سید نجیب اشرف کے اس مجموعہ میں مالگیر کے وہ خطوط بھی موجود ہیں جو زمانہ شاہزادگی میں اس نے شاہجہاں کو لکھے ہیں۔ ان خطوط سے یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ اس کو شاہجہاں سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی۔ اور وہ جزئی معاملات سے بھی اس کو باخبر رکھتا تھا اور ان میں بھی اس کی ہدایات حاصل کرتا اور اور ان کا پابند رہتا تھا۔ مثال کے طور پر ذیل کا خط نمونہ از خروار سے سمجھا جا سکتا ہے۔

”مرید افاض شہزادہ ارادت بقدریم ریدہ ذرہ آسا
 بعض اقدس اعلیٰ میرسانہ کہ میں مرید عقیدت آئین کہ شرف حضور
 پر نور پرورش خود را سرایہ سعادت دو جہاں می دانند
 پیچ دولت را بداراں نمی سنجند، بعد دستوری یافتن از پیش گاہ
 خلافت ہو جے کہ دستوری یافتہ بود طے مسافت نمودہ بخشش

منزل از باغ صفاء بہ پیشاور رسیدہ سلخ ہوشہرہ منزل کرد و روز
 مبارک غمہ در آن جا اتفاق افتاد تسلیمات مبارک باد
 بجا آورده زبان عقیدت بر اسم تہنیت گو یا ساخت ،
 حق عز و شانہ این روز سعادت افزوز را بر ذات مقدس
 مبارک و خجستہ گردانیدہ سایہ لطف و عنایات پرور مرشد حقیقی را
 بر مفارقتی مریدان مستدام دارد

پرستگیر سلامت ! این فدوی بموجب حکم ارفع می خواست
 کہ از پیشاور بہ منزل بکنار دریائے سندھ بے توقف عبور نماید ،
 لیکن چون معلوم شد کہ از شدت آب تا حال پل مرتب نہ کشتہ
 و باد شاہ زادہ جہانیاں ہنوز این روئے آب مقصام دارند
 و اکثر بند ہائے درگاہ خلایق پناہ کہ رخصت یافتہ اند در آن جا
 جمع آمدہ کشتیہا آن مقدار نیست کہ تمامی آن مردم بالشکر
 این فدوی بے تاخیر توانند گذشت و کنار دریا بچہت کمی معلق
 مقام بسیار نمی توان کرد ، بنا بر این قرار دادہ کہ چند روز
 نوشہرہ و انکودہ توقف نمایند ، اگر دریں ضمن شدت آب فرو
 نشید و پل بستہ شود فہما ، والا انشاء اللہ تعالیٰ بخشی گذشتہ کو چہ بگویم
 ما زہم مقصد خواہد شد

” آفتاب جہاں تاب خلافت تابندہ باد “

اسی بنا پر اس پر شاہ جہاں کو پورا اعتماد تھا۔ اس کی غیر معمولی کامیابی

شاہجہاں کی نظر میں اس کی اہمیت بڑھادی تھی۔ اور دوسرے بھائیوں پر اس کی اہمیت حاصل تھی، چنانچہ اپنے ایک خط میں شاہجہاں کو لکھتا ہے۔

”بڑا اے خورشید ضیا پوشیدہ ناز کہ ایں مرید پہنچ گاہ باہر
محاسن افعال خویش نہر داختہ ہوادہ بدیہائے خود مستتر بودہ
دست و ازاں زماں کہ بس تمیز رسیدہ در استرخائے حفاط
ملکوت ناظر دقیقہ از دقائق جد و جہد فرود نگذاشتہ با آن کہ
بہ مقرب بادشاہ زادہ کلاں کہ ہنرے جز خوش آمد ظاہری
و چرب زبانی و خندہ بیارداشت و در خدمت ولی نعمت
دلش بازبان موافق نبود و از کردار ناقابل او چندین ناشیدہ انواع
خفت می کشید چنانچہ فرامیں سابقہ بدان ناطق است بایں
امید کہ شاہ صدق عقیدت و بندگی را نتیجہ پدید آید
اصلاً از طریق عقیدت و انقیاد و انحراف نور زید بہیں
اعلیٰ حضرت این کریم را بعنوان رمناجوی یاد می فرمودند
خرسندی بود۔“

شاہجہاں کی طویل علالت کے زمانہ میں دارالشکوہ نے ان تینوں بھائیوں کو
پریشان کرنا شروع کر دیا ان کے وظائف بند کر دیے جائیں ضبط کر لیں بہر فوجیں
بھیجیں اس سے ان کو شبہ پیدا ہو گیا کہ شاہجہاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور ایسا مشہور
بھی تھا کہ جنوں نے شکر کو لکھا ہے۔

بند گمان اعلیٰ حضرت در قیدیات اند کہ ایں شہر تہا محض

بجٹ فریب و دقائے مایزداران است۔

گو مراد سے اس خبر کو چھٹایا ہے مگر ان تینوں بھائیوں کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر خبر صحیح نکلی تو داراشکوہ کا بادشاہ ہو جانا نہ صرف ہم تینوں بھائیوں کے لئے مضر ہو بلکہ ملک و قوم اور دین اسلام کے لئے بھی اس کا بادشاہ ہو جانا سخت خطرناک ثابت ہو گا۔

انہیں غلط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں بھائی داراشکوہ کو محمد دکانہ دیکھتے تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے جیسا کہ خود اس عہد نامہ میں جو عالمگیر نے مراد بخش کی درخواست پر اسے لکھ کر بھیجا تھا۔ اس کی عبارت ذیل سے ظاہر ہے۔

”و تاملی نیست حق لطیف مصروف آن است کہ بمسائی

غازیان نظر لواند و در بازوئے مہا پدان نصرت آسمان خاں الحاد و

زندہ از دشمن ہمیشہ بہار دیار اسلام بر افتادہ رئیس اللاحدہ آیانہ

و احزاب خویش نیست و ناہم دشواری

”رئیس اللاحدہ“ سے مراد داراشکوہ ہے۔ آگے کے پیرے میں لکھا ہے۔

”بعد استیصال آن دشمن دین و دولت و استقرار و استقام

امور سلطنت“ نیز بر جادہ قدیم وفاق و اتفاق استقامت

و در زبیرہ ہمیں دیر و ہمہ وقت و ہمہ جا و ہمہ کار رفیق و شریک
باشند۔

یہاں دشمن دین و دولت سے مراد داراشکوہ ہے اسی طرح مراد بخش نے اپنے ایک خط میں عالمگیر کو لکھا ہے۔

”حقیقت رفتن محمدزادہ بھوب پتنہ بموجہ کٹلی شدہ
دلیل ہم نوشتہ بود، ہرچہ از دستش بیابد بکند و ہرچہ ز دست
کند برائے ابا بہتر است نہایت“

اس خط میں جو مراد بخش نے عالمگیر کو لکھا تھا، محمد سے مراد داراشکوہ ہے اور محمدزادہ سے مراد سلیمان شکوہ پسر داراشکوہ ہے۔

انہیں خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کی طویل علالت کے زمانہ میں داراشکوہ نے شاہجہاں کو بالکل سفل کر دیا تھا اور خود اس کے نام سے حکومت کرتا تھا چنانچہ عالمگیر خود شاہجہاں کو لکھتا ہے۔

”قبلہ دین و دنیا سلارت! چوں کر رستمایانست کہ
ذات ملکی صفات از تکسیر بدنی نہایت نقاحت وضع ہم
رسانیدہ ہمیں برادر شمدی امور سلطنت شدہ، ادا مر
واحکام بادشاہی بدون عرفی تقدس بطور خود سر انجام داد
دایم امرے باقتدار والا گزاشتہ حتیٰ کہ خطاب خانی و
منصب کلاں بہ نوکراں خودی دہند و در اکثر صوبہ جات
چکھا پیشکاران دیوانیاں و فوجداران و دولات نگراں و دیگر
اہل خدمت از جانب خود تعین کردہ اند و برائے نام پورے
رایاں داد و کچری می نشاند و لاتمام رتن و فتن سعادت غام

و دیگر امور مالی و ملکی بجزدہ اہتمام حسین الدین خاں کہ الحال
 خطاب وزیر خاں یافتہ مقرر کردہ اند و تعیین بخلق اقواج
 بر سر برادر و والا قدر محمد شجاع بے ملاح آں قبلہ جهان و
 جہانیان بوقوع آمدہ ہر گاہ مال چیں باشد مریدان خاص و
 و فرزندان با غلام رالازم است کہ خازان میان برداشتہ
 بدریافت ملازمت قبلہ و کچہ حقیقی سعادت دہیں حاصل
 کنند و دریں وقت بخدمت فیض موسیت مستعد گردیدہ
 بموجب کم قدسی در تشہیت و انتظام مالک محروسہ کار
 بدپردازی حسین برادر در ہم خود دہ سی و اجہاد دے بکار بند
 و ہر کہ از بند ہائے بادشاہی بمقتضائے حرام ملکی مصدر شوخی
 دے اعتدالی گردیدہ سزا دے لائق در کنار آد نہند
 لہذا ایں فدوی عقیدت سرشت بعزم سراخجام
 مطالب معروضہ فی الصدور از مکان اقامت خود کوچ
 نمود، امید آن است کہ بعنایت الہی و اقبال عدد مالی
 حضرت شہنشاہی با سرعت اوقات کامیاب مافی الغیر شود
 زیادہ عرض گستاخی است۔

نیز دارا شکوہ لے شاہ بجاں کے خط و دستخط کی نقل میں ہمارے
 حاصل کر لی تھی۔ اور وہ شاہ بجاں کے نام سے احکام صادر کرتا تھا جن کی شاہ بجاں کو خبر ملی
 نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ مراد بخش عالمگیر کو اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔

”بجہت برہمزدان قرب دجوار مکر و حیلہائے فراوان خواہد انگجنت
 کہ شاید ایں صوبہ را از مخلص تواند گرفت، و دریں باب احکام و قرائن

”تو بہ بارے اختراع خواہ نمود“

بھرا یک دوسرے خط میں مراکتش ہی مالگیر کو لکھتا ہے۔

”لمحہ خود قتلید خط اقدس را بہر تہ کمال رسانیدہ

برقزاین دستخط خود می کند، ازاں جلد فرمائے امت کہ دریں

ولا بہ مخلص رسید“

یہاں بھی لمحہ سے مراد داراشکوہ ہے جیسا ذیل کے خطوط سے صاف ظاہر

ہوتا ہے۔ اس سے اختیارات حاصل کرتے ہی شجاع، مالگیر اور مراکتش تینوں

بھائیوں کے ساتھ ظلم و زیادتی شروع کر دی۔ ان کی جاگیریں ضبط کرنے کے

احکام صادر کئے، نقد و قلائف بند کر دیئے، مالگیر بیجا پور کا محاصرہ کئے ہوئے

تھا اور عنقریب فتح ہوئے ہوئی تھی کہ داراشکوہ نے مخالف سے ساز باز کر کے

مالگیر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ جیسا کہ مالگیر ذیل کے خط میں خود بتا رہا ہے

”بعض اشرف حضرت ظل سہمانی خلیفۃ الرحمانی می رساند کہ چون

اقتدار و اداری ملکی دہالی آن حضرت ماندہ و مواد استقلال و تصرف

شاہزادگان و اہل در محل و عقد امور و جہان بینی از ان گذشتہ کہ بشرح و

بیان راست آید، ہجرم و سبیل از بد عزت و اعتبار و علت دوام

تسلط و اقتدار ہموارہ در مقام ایذا و آزار نیامند بودہ و در بار

کار بر پیش رفت خواہش طبع خویش، بچہ متضمن فساد بود و عدم صلاح

مباد بود و ملکی آمد و در راہ منافع از ہر سو بر روی میراندیش مسدد

ساخته خواست که باین طریق ایوان داخل خزانه دکن که
 قلت از آن علت خرابی در پرتندی لشکر است بر دو س
 روز کار این رضا جوئی فراز نمود. چنانچه در عین وقت کار
 که حسب الحکم لشکر بر بیجا پور کشیده بعد هزار سحر کار
 بر آن ها تنگ ساخته در مسافتی تبیل داشت و نزدیک بود
 که پیش کش گران مند گیرد یا همه را مستاصل مطلق ساخته
 بی جان و بی پا کند. سسرادگان شدید بطلب لشکر
 فرستاده، نهانی نوکران خود بقصد تسلی قلب و استقامت
 خاطر بیجا پوریان تعیین نمود و قوچ این سخن و خبر را بی
 مختلف گوشت اشرف موجب خیره چشمی غنیم گشته وین و
 فتور تمام در میانی شهادت طلب دلاوران لشکر راه یافت
 و بجا برین مصلحت که مین مفیده بود اکثر مردم سرخویش
 گرفته بهر طرف متفرق شدند. اگر خدا نخواسته در ملک
 غنیم زخم عظیم به لشکر ظفر اثری رسید و در سایر اقلیم
 سبعة مشهرت یافته موجب خفت دولت پادشاهی
 شد. یعنی که تلانی و مدارک آن از خیر اسکان و قوت
 اقتدار اشرف بیرون بوده از عدم عاقبت اندیشی
 شهزاده کلاان عمر با صورت نمی بست، کرم الهی
 نیاز مند صاحب این حال بود که با وجود بی مددی
 احوال و انصار دل بر کار گری نماید الهی بسته و نظر بر راه
 عقد شاهی اقبال کشاده اهل عناد را سر کوفته و گوش تانته

بعد از فوز مہلب با ضیل سعادت صحیح و سالم از حدود
آن ملک گزار و شدہ بمقصد پیوست۔

و با وجود ایں مایہ بے مدی و کار شکنی اکتفا ننمودہ
بے سابقہ تقصیر و اذکبے روشی و غرضش کہ مستلزم الی اللہ
کم لطفی و سزا دار کم تو جہی آن حضرت بودہ باشد حالے
بر از جا گیر مچو منے دست اعتقاد رخا جو تغیر ننودہ
تنخواہ طلب آنہاں نا خلف کہ بے موجب سر از دار
اطاعت و انقیاد بر آوردہ مصدر گوناگوں بے ادبی و نفاق
کردیرہ بود ننود و بردنق ارادہ ناصواب مکی مطالب صحیح دانی و
خواہ را بطریق ناشائستہ خاطر نشان اشرف کردہ جسرت سنگ
را با لشکرے گراں سنگ بقصد امتزاج مختصر ملکہ کہ نامزد
نیاز مند شدہ بود فرستادہ قصد آں ننود کہ بہر صورتی کہ
بود ہر دہر طریق کہ پہلی رود و قطعاً ناخن تلکب خیر اندیش
در محال متعلقہ بادشاہی ہند ز گشت یک کف زمین نیز در
قبضہ قبض و تصرف خیر خواہ نماند۔

اور جیسا مندرجہ بالا خط سے ثابت ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے راجہ جیونت سنگ
اپنے بیٹوں اور دیگر امراء کی سرکردگی میں ان تینوں بجائیوں پر فوج کشی کی ایک دست
خط میں عالمگیر شاہ جہاں کو لکھا ہے۔

” چنان کہ سلیمان شکوہ رپر دارا شکوہ را با فوج

ننگہ اشتد کہ عرائض کترین مریداں کہ پیہم بدرگاہِ آسماں
جاہ ارسال داشتہ بود، بنظر اشرف اقدس اعلیٰ درآید
تا بحراب چہ رسد:

شاہجہاں کے صحت باب ہونے کے بعد بھی وہ اسی طرح معطل و زنجیر بند رہا۔
جس کی شکایت بھی اس نے اپنے ایک خدایں کی ہے۔ بالآخر شجاع، عالمگیر اور
مراد بخش کو یہ شبہ ہوا کہ شاہجہاں کا انتقال ہو گیا ہے اور دارا شکوہ نے اس
واقعہ کو چھپا رکھا ہے۔ اور مسلط ہونا چاہتا ہے۔ عالمگیر شاہ شجاع کو
لکھتا ہے۔

• در اثنا یاری بہ بادشاہ ہفت کشور حادث شد
دارا شکوہ از ہمہ طرف راہ پاسد و د و کلاہ را محبوس
سانتہ افراد کائنات را منظر خبر اندوہ اثر انتقال بادشاہ
افتادہ و چنانچہ بادشاہ خردیم بریں منشد۔ بر ملا خاں
دیدہ دور میں خطبہ خواندہ اند و سکہ رائج کردہ بدعوی
قنت و تاج بعوب دار الخلافت حضرت دہلی ہفت
فرمودہ اند:

اسی زمانہ اقتدار میں دارا شکوہ نے ہندوؤں کی بے حد طرفداری کی اور
انہیں جگہ ان کی طرفداری میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور مساجد و مقابر تک
ضہم کر دیئے۔ یہ حرکات خلاف دینی تھیں اور ان سے دوسرے بھائیوں کو یہ
اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اگر یہ ملحد بادشاہ بن گیا اور اس کے ہاتھ مضبوط ہو گئے

تو نہ صرف یہ کہ خود ان تینوں بھائیوں کے جان و مال کے لئے شدید خطرہ ہے ،
بلکہ اسلام بھی خطرہ میں ہے۔ اس لئے ان تینوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے
کہ وہ اس فتنہ کو دفع کریں ، اور خود کو دین اسلام اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ
رکھیں۔ ذیل میں عالمگیر کے ایک خط کا اقتباس اس جوشا بہماں کے نام
ہے۔ ملاحظہ ہو۔

”قبل ازیں مکرر معروف خدمت والا گردیدہ کہ
مقصود ایں مرید از نہفت بصوب اگر آبادارادہ یعنی
و خروج یا بادشاہ اسلام نبود و عالم التبر و الخفیات
گواہ است کہ ایں قصد تا صواب غیر مشروع اصلاح قطعاً
پیر من غیر نکتہ بلکہ چون در آو این بیماری اختیار از دست
اعلیٰ حضرت رفتہ بود و بادشاہ زادہ کلال کہ رنگے از
مسلمانی نہ داشت قوت استقلال تا پیاپید کردہ امارت
جہا بنانی ظاہری ساخت و رایت کفر و الحاد در مالک
محرک مدعی افراشتہ ، دفع دراکہ عتلا و شرعاً و
عرفاً واجب شدہ بود بردست ہست متعم شنانہ
عزیمت ایں حدود نمود و جنگ اول باغفار شرار کہ
مساجد را منہدم و خراب ساختہ ، تہانہ ہائے آل
بنانہادہ بودند ، و دہائے وادہ محاربہ دیگر بلاخذہ
نکو ہیدہ کردار واقع شد و چون نیت بخیر بود باجمیت
قلیل در ہر مہر کہ تلف و منصر کندہ از چشمہ زخم مسنون
ماندہ۔۔۔ ارتقاء عالمگیر ص ۱۰۳

مراد بخش نے اپنے ایک خط میں مالگیر کو لکھا تھا۔

”بعقیدہ مخلص حضرت درمیاں نیستند و اگر بفرض
محال ہستند، جز نامے بیش نیست بہر حال معاملہ بکروشد و
کار از اصلاح گزشت، چوں نیت امداد و اعانت دین
محمدی است صلی اللہ علیہ وسلم، یقین می دانم کہ فتح و نصرت
نہیبی و جنود الہی با ما است خاصہ وقتے کہ با ہم تعلق
پاشم۔“

مراد بخش نے ایک سڑا۔ موسم بہار تھار خاں کو بھی لکھا تھا۔

”از انجا کہ امر سے برادر با ہم تعلق و یکدل و یک رو
گشتہ ہمت اصول مطلب اعلیٰ بستایم و دریں ضمن مقصد
اعلیٰ رواج دین محمدیست، یقین حاصل کہ فتح و ظفر نصیب
اولیائے دولت ماست، وقت دریافت شرف حضور
پر فہم ہیں است کہ اُردو دے ظفر قرین نزدیک رسیدہ
و عنایت مارا در بارہ خود مرتبہ اعلیٰ شناسر۔“

جیسا مراد بخش نے مندرجہ بالا خط میں لکھا ہے، تینوں بھائیوں یعنی شجاع
ابو ننگدزیب اور مراد بخش، میں ایک خفیہ سپاہی رہا۔ اور بالآخر اس غرض سے کہ
اگر شاہجہاں زندہ ہے تو اس کو دلرا شکوہ کی قید سے نجات دلانی جائے یہ
لوگ اگر ہ کی طرف سچ اپنی افواج کے روانہ ہوئے، جیسا کہ اوپر دے ہوئے

خطوط سے ثابت ہے۔ عالمگیر ایک دوسرے خط میں خود شاہجہاں
کو لکھا ہے۔

چون مجاہدی احوال بریں منوال مشاہد افتاد
و سابق کار بریں نہج ملاحظہ گردیدہ آن حضرت از روئے
بے اختیاری مطلقاً با اختیار او شدہ عقیدہ فقیہ امور ملکی
نہی شوند و سائر فرزندان را بگفتہ ادو دشمن انگاشتہ بہرچہ
تجویز نماید نسرا میں مادر می فرمایند، پاس ناموس پس
عزت بر ذمت ہمت گرفتہ بخاطر قرار داد کہ خود بسعادت
لازمیت اشرف رسیدہ حقیقت معاملہ را بوجہ معقولہ
خاطر نشان بر طرف سازد۔ راجہ حبونت سنگھ از درود
و مسدور این مرید خبر یافت بہ تحریک کمال بے سعادت
ہنگام کوچ سردارہ بر عبور خیل اقبال گرفت ناچار
طریق قبیہ و گو شاداں کوتاہ اندیشہ را پیش گرفتہ آن
سست رائے را کہ خار مانع سردارہ شدہ بود سب
نحوت دادہ از راہ برخیزانیدہ شد۔

بر رائے عالم آرائے ظاہرست کہ اگر سواد ریافت
سعادت لازمست ارادہ دیگر می بود بدستہ آوردن او
و مراہاتش کہ بحال تباہ و روز سیاہ بے سیر و دی ہزیمت
بود نہ چہ قدر کار بود۔

انکیز شہید می شود کہ شاہ بلند اقبال (دارا شلوہ)
لوائے خصومت برافراشتہ بارادہ مقابلہ بہ دھول پور

رسیدہ اند، چوں موجدِ پشاں باپ پوئے غنیمے شکر شکن
 پہنچ دجہ صورت بستنی و نقش مراکش با مثل حریف پر فن
 اصلا درست نشستنی نیست صرفہ دریں است کہ معادہ را
 بطرح انداختہ چند سے بیوپ پنجاب کہ دیتوا ایٹاں
 مقرر است شتافتہ خدمت حضور اقدس با اختیار ایں مرید
 مرشد پرست و اگزارند بعد ازاں بہر چہ را اے عالم آرائے
 انتفا کنند بھل خواہد آمد

عالمگیر اور مراد بخش آگرہ کی طرف سچ اپنی افواج کے روانہ ہوئے اور جیسا مراد
 بخش نے شجاع کو لکھا تھا کہ۔

”و مقرر گشتہ کہ ازاں طرف بھائی زیود ازیں طرف
 مخلص بہ او جین در آمدہ راجہ جیونت سنگھ را کہ با جمیع در آنجا
 نشستہ ہر داشتہ روانہ اکبر آباد شوم انشا اللہ تعالیٰ
 عنقریب ازیں کار فاسرغ شدہ راہ طلب گرفتہ
 می شود۔“

اسید کہ آل صاحب والا قدر فوج مقابل را بر ہم
 زدہ خیلہ راہ بقصد نزدیک شدہ خوانند بود ماہر و
 برادر را ہم بآن حد در رسیدہ دانند

عالمگیر اور مراد بخش ادو جین کے قریب پہنچے تھے کہ راجہ جیونت
 سنگھ جسے داراشکوہ نے ان دونوں کی راہ روکنے کے لئے مقرر کیا تھا اس سے سخت
 جفا دیا تو ہوا اور راجہ جیونت سنگھ سخت نشانہ جانی و مالی اٹھا کر بھاگ
 کھڑا ہوا۔ اور جیسا مراد بخش نے شجاع کو لکھا ہے۔

بعنایت الہی این جنہیں فتح کہ دریں صد سال کے
یادگار در روزی شد اشکراں عنایت الہی کہ دریں وقت
شامل حال گردیدہ طاقت بشری از ادائے آن عاجز و قاصر
است۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد ازیں راست بہ البر آباد دہلی
میرود۔ می باید آن صاحب بلہ ہم زودتر متوجہ آن طرف
شوند کہ بالاتفاق مقرر از منج و بن برانداخته شود۔

یہ ایک زبردست کامیابی تھی اس کے بعد داراشکوہ خود مقابلے پر آیا
اور اس نے بھی شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی اور بالآخر گرفتار
ہو کر قید ہوا۔

داراشکوہ نے شاہجہاں کو نظر بند کر رکھا تھا اور خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔
مگر شاہجہاں بوجہ علالت و ناسازی مزاج بادشاہت کا کام اس پر چھوڑے ہوئے
تھا۔ اور شبیال خود معذور اور گوشت نشین تھا۔ درحقیقت وہ داراشکوہ کی قید
میں تھا۔ اور منظر بند تھا۔ مگر اس کی مکنی چٹری باتوں سے اُس پر اس قدر مہربان
تھا کہ داراشکوہ کو جسے اس نے پہلے ہی سے دلی عہد مقرر کر رکھا تھا۔ اب اپنا
نائب سمجھ لیا۔ مانگیر نے ایک خط میں شاہجہاں کو لکھا ہے۔

”ایں مرید ازاں زمان کہ بسن جنہر رسیدہ در استرخا
خاطر ملکوت ناظر دقیقہ از دقائق جد و جہد فرنگزاشہ بآنکہ
بتقریب بادشاہزادہ کلاں کہ ہنر سے جز خوش آمد ظاہری
و چرب زبانی و خندہ بسیار نہ داشت در خدمت دلی نعمت
دلش بازبان موافق نبود و از کردار ناقابل او چندیں تا
شنیدہ الوازع خدمت می کشید چنانچہ فرامین سابق بدان

تالیفات

شاہجہاں جیہا کہ مندرجہ بالا خطوط سے ظاہر ہے داراشکوہ کے ظلم و زیادتی کا جو اس نے ان تینوں بھائیوں کے ساتھ وادگی تھی اطلاع بھی نہ تھی نہ تینوں کے خطوط شاہجہاں کو نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ اصل حالات سے بالکل بے خبر تھا اور اسی بنا پر وہ عالمگیر کو داراشکوہ کے مقابلے میں مجرم سمجھتا تھا۔ اور عالمگیر کو مجباً طور پر یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر اختیارات شاہجہاں کو بجا کر دئے گئے تو وہ عالمگیر کو سخت سزا دے گا۔ اس لئے عالمگیر مجبور تھا کہ شاہجہاں کو اسی حالت میں رکھے جس میں داراشکوہ نے اسے نظر بند کر رکھا تھا۔ اور کم سے کم کچھ دناں ایسا کر کے دیکھتے اور اسی بنا پر ابتداء میں خود نائب السلطنت کی حیثیت سے کام لیتا رہا اگر شاہجہاں نے داراشکوہ کی شکست اور گرفتاری کے بعد شجاع اور مراد کو درغل کر عالمگیر کے مقابلے کے لئے تیار کیا۔ عالمگیر ایک خط میں شاہجہاں کو لکھتا ہے۔

ایں مرید سلوک را بہنچے مستحسن قرار داوہ بود و
می خواست کہ بعد رفع شورش و استرفاضے خاطر
الاکراہ تمام بر میان جاں بستہ بواں و سید سعادت دارین
حاصل کند و ہر چند شتید کہ موجب ارتفاع غبار فساد
دیریم خود دگئی ہماۃ عباد محترک آں حضرت است و
برادران بفرمودہ کات رس دست دہم و زند و جانے
می کنند و اسلا گوشش بستوان مردم نینداخته
در اندیشہ انحراف از شاہراہ حقیت

نئی بود۔

رقعات عالمگیر ص ۲۱۳

لیکن از انجا کہ اخبار بے توجہی اعلیٰ حضرت تیار رسید
چنانچہ از نوشتہ کہ عبارت بندی بہ شاہ شجاع قلمی گردیدہ بود
و خان وہاں ادب سر آں خراب شدہ ہویدا سست و یقین
حاصل شد کہ آن حضرت ایں مرید را نمی خواہند و با آنکہ کار از
دست رفتہ بہنوز تلاش آں دارند کہ دیگرے استقلال یافتہ
سعی ایں فسدوی کہ سر دفتر محمد برج دین میں انتظام
ہمایت ملک است ضائع شود ۱۰

اور خود شاہجہاں کے ذیل میں دئے ہوئے خط سے جو ان نے مراد بخش کو
لکھا تھا۔ یہ و ان ظاہر ہے کہ شاہجہاں نے مراد بخش کو کل مالک محروسہ کی بادشاہت
عطا فرما کر عالمگیر کے قتل کرنے پر تیار کیا تھا۔

”بادشاہی کل ہندوستان بطیب نفس و طوع
ضمیر باں فرزند سادت پیوند حوالہ نمودہ ایم، باید کہ دریں باب
کمال آگاہی بردباری بتقدیم رسانیدہ مطلقاً ایں راز سرستہ
را بہ هیچ کس از نزدیک و در ظاہر سازد، بعد از روزے
چند برادر را و برادر زادہ را بہ بیہانہ خیانت بخانہ خود
طلب کار ہر دو بہ پایاں رساند و خطبہ ملک باسم و لقب خویش
مزمین گرداند کہ من بر خنائے خاطر عہدہ ایں مرخیز را باں فرزند
عقیدتمند سپردہ ام ایں کار عالی را از روزے کمال آگاہی سرانجام
بخشد ۱۱

نتیجہ یہ ہوا کہ شجاع، اورنگ زیب اور مراد بخش کا اتحاد ٹکنا نہ ختم ہو گیا۔ شجاع پٹنہ سے خروج کر کے اورنگ زیب پر حملہ آور ہوا اور مراد بخش بھی باوجود کمال ارتباط کے جو سے اورنگ زیب سے تھا اس کی مخالفت اور مقابلہ پر کہہ بیٹہ ہو گیا اور اسے بھی پورا ان دونوں کے خلاف تلوار اٹھانا پڑی۔

یہی وجہ تھی جن کی بنا پر وہ شاہجہاں کو آزاد کر کے حکومت سونپنے سے معذور رہا، اگر اسے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوبارہ اقتدار حاصل ہونے کے بعد شاہجہاں اسے نقصان نہ پہنچائے گا تو اس کی دینداری اور زہد و تقویٰ سے پوری امید تھی کہ وہ اپنے باپ کو داراشکوہ کی قید سے آزادی دلا کر پھر مطلق العنان بنا دیتا اور اسی غرض کے لئے وہ آیا ہی تھا۔

شاہجہاں کی نظربندی کے زمانہ میں مالگیر نے جو خطوط اس کو لکھے ہیں ان میں سے بعض اوپر نقل کئے گئے ہیں ان میں پورا ادب و احترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور شاہجہاں کے سخت خطوط کا جواب بھی اس نے سودا بنے اور فدویانہ انداز میں دیا ہے اور کبھی کوئی سخت فقرہ اس کو نہیں لکھا۔ انہیں وجہ سے شاہجہاں نے بالآخر اس کی خط لکھا معاف کر دی تھیں۔

شاہجہاں کے سابقہ طرز عمل سے وہ بے حد خائف تھا اور جب کہ اس نے اپنے خطوط میں لکھا ہے وہ حاضر خدمت ہو کر قدم بوسی حاصل کرنے کا آرزو مند تھا مگر شاہجہاں کے خدام اور قلعہ کے اہلکاروں سے اسے خطرہ تھا کہ مبادا شاہجہاں کی تحریک پر وہ اس پر حملہ نہ کر دیں اس لئے معذور رہا اس نے متعدد بار اپنے خطوط میں شاہجہاں سے درخواست کی کہ اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی حالت میں اسے اجازت دی جائے کہ وہ اپنے مستعد اہلکار وہاں متعین کر کے اپنی حفاظت کے انتظام کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہجہاں نے یہ منظور نہ کیا۔ وہ چاہتا تو

ایسے مشکوک لوگوں کو قلعہ سے زبردستی خارج کر سکتا تھا مگر محض شاہجہاں کی
دل شکنی کے خیال سے اس نے ایسا نہیں کیا شاہجہاں کو لکھا ہے۔

”بِسْمِ اللّٰهِ وَالْمَنَّةِ اِیْنَ نِیَازِ مَسْدُورِ گَآہِ شَہِنشَاہِ
بے مثال دہلے مانند از بد و اہتر از رواج عقل و تمیز
الی الال یا نذازہ بشری و طاقت انسانی در تمہید قواعد
ارادت و اعتقاد و تشہید بہائی صدق و سداد خود را
مقصر ساختہ در ضبط سرشت استر فنائے خاطر
ہمایونی کوشیدہ از صراط مستقیم عبودیت و جانشانی
انحراف بہائز غماشتہ و نمی دارد و در راہ
ہندگی و عقیدت ثابت قدم و راسخ قدم است
یعن از مہر میں مقدمات کہ بنا بر ارادت
ازلی و ستیت لم یزلی در میاں آمدہ بمقتضائے طبیعت
بشری مخلوق و ہر و ہر اس گشتہ جرأت آن نہادہ کہ
باطینان قلب و بحیث باطن عازم امر از سعادت جنت
بدور تواند شد و الا آرزوئے خاطر قاطعہ این مستمند صراہ
ارادت و اخلاص بہ نیل دولت اسلام سدہ سپہر
احتشام زیادہ ازان است کہ توصلہ تقریر و تبیین آل را
بتیادہ و زبان ارادت از مشکرانہ عنایات سرشار
و مراحم و اشفاق بے شمار قدس قاصر الکر آئین
مرید نوازی و امرعی فرمودہ حکم و الابشرف نعمت از شاہ
کہ بعضی از مردم ایں مرید شہادت بقلعہ بار یافتہ بجائے

جمعے از ملازمان سرکار عالم مدار کہ بجا فطرت در وب و
 و مدخل ماموران قرار گیرند و از پیش گاہ عنایت خدائی
 بخواست ابواب قلعه امتیاز و اختصاص یا بندیں ندی
 بانسپار بھیج خاطر و سکون باطن و الطینان دلی بمصنوع
 اقدس رسیدہ سعادت زیر بوس اشرف حاصل نماید
 و زبان عقیدت بیان بعذر تفسیرات بکشاید غایت مرید نوازی
 خواہ بود

وہ تمام عمر شاہجہاں کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرنے کے لئے تیار
 تھا، اور اس نے شاہجہاں کی بقیہ زندگی بھر اس کا انتہائی ادب و احترام
 کیا۔ اور اسے آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہا اسی وجہ سے
 شاہجہاں نے اس کو معاف کر دیا تھا اور اس سے خوش ہو گیا تھا جیسا ذیل کے
 خط سے ثابت ہوگا۔

”بعد اداۓ وظائف عقیدت بعرض اقدس اعلیٰ
 می رساند، والا فرمان ماطفیت عنوان کردہ جواب بعرفیہ
 این مرید مسادر شدہ بود در اسعد ساعات عز و رود
 اذانی داشت و از وصول نوید غیورانات و تفسیرات
 جہاں نشاط و انبساط اند و خستہ بلطف عیم مرشد خطا بخش
 عذر پذیر امیدوار تر کردید اللہ تعالیٰ کہ اعلیٰ حضرت
 بمقتضائے انصاف و قدر دانی عفو را بر انقسام ترجیح
 دادہ ایراسر پاکذاہ را از گرداب اندودہ اہل نجات
 بخشید می۔ و جا بکریم ایزد دان است کہ میں بحد

۴۔ جب و مصلحت امر کے وقوع آن شاید بظہور نیاید۔
 ایں مرید کہ غلامہ عمر را صرف رضا جوئی و نیکو
 خدمتی نمود بچیت مزخرقات ثانیہ دنیویہ چگونہ راضی می
 تواند بود کہ اوقات فرزندہ سمات اعلیٰ حضرت کہ جان و مال
 فرزندان و اہل و عیال فدائے تحصیل خرسندی حضرت
 است بجمعیت نگذرد و مردم محل از خدمت وافی سعادت
 جدا باشند۔

مگر انتظامی مصالح کے پیش نظر اُسے بادشاہ کا لقب اختیار کرنا پڑا جیسا کہ وہ خود
 شاہجہاں کو لکھتا ہے۔

”خدا سے غیب دال کہ اور الٰہ بکذب و دروغ گواہ
 گرفتار نزد اہل اسلام کفر و درجہ طہل و ادیان مذموم است
 می دانند کہ ایں مرید ہرگز بہ تجویز و ارتکاب خلاف مرضی طبع
 مقدس راضی نبوده و نیست خود را نائب حضرت الگائے
 بدیں خدمت قیام می نماید لیکن چون انتظام اوضاع ملک
 و احوال رعیت باظہار نیابت اسکان نداشت نہ اگر پر
 برائے پاس مصالح ملک و ملت روزے چندان ایں نوع
 سلوک کہ بخاطر خطور نمی کرد و چہ شرمندگی ہا کہ از اں
 رہگذر تدارک لازم شد، پس از آنکہ امنیت در ممالک
 پدید آمد، عبارتہ ذیل فرستادند انشاء اللہ تعالیٰ جمیع مرغوبات

خاطر اشرف بود و اسمن سورت خرابد گرفت

پھر ایک دو سکر خط میں لکھتا ہے۔

”برائے خورشید ضیا پوشیدہ نماز کہ این مرید
 کمر آن بخت والا عرضداشت نورہ کنوں نیز کہ حرف
 واشدہ بر زبان قلم می آید کہ قبولی این منصب خطرناک
 کہ اندیشہ مخبریت آن ہوشمندان عاقبت میں را جگر خون
 دارد اختیار می نیست و بخواہش این بندہ بنودہ
 چه صاحب عقل سلیم و فطرت مستقیم کہ ایملنے باز خواست
 اخروی دارد، چگونه با اختیار راضی تواند شد کہ با آن کہ
 شرط عدالت میان قوی و اعفای خوش مرعی داشتن
 در کمال محبت است، و زرد مال عالمی را گردن بگیرد
 و جواب یوم الحساب را آمادہ گردد، بلکہ چون مہمات مملکت
 موردی از نسق افتادہ طبقات انام با مال حوادث می
 شدند و احکام اسلام از میان برخاستہ بود، این
 مجبور قضا و قدر از روی اضطرار بدین فخل ظہیر تن در
 دادہ اظہار بعض رسوم جہان داری کہ پیش رفت کار
 بے آن دشواری می نمود لازم دید۔“

عالمگیر نے بیان کیا کہ شایبہ نہایت محتاط زندگی گذاری قرآن شریف کی
 کتابت کرتا تھا۔ تو پیاں سیتا تھا اور اسی کی اجرت سے اپنی ضروریات زندگی

پوری کرتا تھا۔ بادشاہت کا عیش و آرام اس نے بالکل حاصل نہ کیا۔ اپنی ساری زندگی خدمت خلق و خدمت دین میں بسر کی اس نے اس کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اس نے دارا شکوہ سے دین کھلے اور پھر اپنے باپ شاہجہاں کو اس قید سے آزادی دلائے اور خود اپنی اور اپنے بھائی شجاع اور مراد بخش کو اس کے شر سے بچانے کے لئے جنگ کی اور اس کو اپنا فرض سمجھا کہ اس کو دفع کر کے دین کو بچائے باپ کو آزادی دلائے اور خود اپنے کو اور دیگر بھائیوں کو ہلاکت سے بچائے۔

تقریباً انگریزوں کے اقتدار حاصل کرتے ہی عالمگیر کے خلاف ایک شدید پروپیگنڈا شروع ہوا۔ اور اس کے معائب و منطالم اور ہندوؤں کے خلاف تعصب کی داستانوں سے تاریخ کے صفحات رنگین کئے گئے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ شاہجہاں عالمگیر اور اس کے بھائیوں کے خطوط نے شائع ہو کر سارے ہندوستان میں اس کو اس کے چہرے سے مٹا دیا۔ ادب مسلمان بادشاہ ہندوستان میں اس کو امتیاز کا ایک ایسا ملمع حاصل ہو گیا ہے جو ابراہا نامک اس کے سر پر دمکتا اور اس کے کردار کے چہرے کو عکس کرتا رہے گا۔

عالمگیر کے ترکستان اور ترکوں سے تعلقات

(از محمد روحی اولیغور کاشغری)

ترکستان کی یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو لوگ خواہ اس کی وجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جب ایک مرتبہ ترکستان چھوڑنے پر مجبور ہوئے ان کو دوبارہ اپنے آبائی وطن کو واپس لوٹنا نصیب نہ ہوا حکمراں ہوا والی ہو، جنرل ہو یا کوئی جماعت ہو جو گئے وہ دوبارہ واپس نہ لوٹے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ترکستان کو مرکز قرار دے کر مالک مغتومہ پر اپنا کٹر دل رکھ سکے، جیسے چنگیز، اس کی اولاد اور تیمور وغیرہ۔ ترکستان کی تقدیر میں یہ کوشش قدرت پرانے زمانے سے کر آج تک ایک روایتی حیثیت رکھتا ہے۔

تازہ تحقیقات کے مطابق آریانا قوم کا آبائی وطن یعنی آریانا دیکو "ترکستان" کے برفانی علاقے اور خامس کر قرغز شیب ادس کے ارد گرد تھا وہ لوگ اس علاقے کو ایک مرتبہ چھوڑنے کے بعد واپس نہ لوٹے۔ البتہ اس قوم کے کچھ لوگ جو وہاں رہ گئے تھے ان کے اخلاف اب بھی ترکستان میں کہیں کہیں آجائے ہیں اسکیٹو یا سکا، اس کے بعد یوچی یا کوشانی یا متعاقباً جو یوکھیٹل یا مسفیہون کے نام سے معروف ہیں۔ بالآخر اسلام کے بعد ترک ایک اور آخر میں بابر کے خاندان کی تقدیر میں بھی کوشش قدرت کا فرما رہا ہے۔ یہ سب لوگ ترکستان سے ایک مرتبہ نکلنے کے بعد واپس نہ لوٹے بلکہ یہ لوگ جہاں بھی گئے وہاں کے

لوگوں میں گھل مل کر اسی ملک کو اپنایا اور اسی وطن کے لئے جئے، اسی وطن کے لئے لڑے اور اسی وطن کے لئے مرے۔

بابر بھی جب اپنے حریفوں سے شکست کھانے کے بعد ترکستان سے نکلا تو اس نے تین مرتبہ کوشش کی کہ وہ وہاں واپس جا کر اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اور پھر اسے مجبوراً ترکستان کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑا اور اس کے خاندان، ہمایوں سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کسی نے اپنے آبائی وطن جانے اور دوبارہ قسبام کرنے کا کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ وہ شروع ہی سے اس برصغیر کو اپنا وطن قرار دے کر اس وطن کے لئے جئے اور اسی کے لئے مرے۔ مگر ان تمام حالات کے باوجود ان کے ترکستان اور ترکوں سے تعلقات کلی طور پر قطع نہیں ہوئے بلکہ بابر کی خاندان نے ترکستان سے تعلقات کو خاص طور پر اہمیت دی اور دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی تعلقات کے علاوہ سیاسی اور ثقافتی تعلقات بھی آخر تک ہماری رہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ خود بابر نے اپنا توپ خانہ بنانے کے لئے ترکی سے توپ بنانے والے ماہروں کو بلایا تھا اور ایک روکی ماخذ کے مطابق بابر نے اپنے پایہ تخت آگرہ سے ایک ایچی ماسکو بھیجا تھا۔

(S.M. IKRAM, Cultural Heritage of Pakistan, P-9) ظاہر ہے کہ یہ ایچی وسطی ایشیا سے ہو کر ماسکو پہنچا تھا۔ بہر حال بابر نے ترکستان سے اپنے تعلقات کو قطعی طور پر قطع نہیں کیا تھا بلکہ اس کے بست سے مخلص و فادادار دوست، علماء و شعراء ترکستان سے آگرہ پہنچ کر اس کی خدمت میں شامل ہوتے رہے۔ اور کابل اور ترکستان کے تازہ میوے اور غزنی کی اعلیٰ شرابِ نعلم طور پر آگرہ پہنچتی تھی (دیکھو ترک بابر)

اگرچہ ہمایوں کو یہ فرصت نہ ملی کہ ترکستان سے سیاسی تعلقات کو بحال رکھے

لیکن جیسا کہ ہرات و ایران سے اس کے ثقافتی تعلقات تھے اسی طرح ترکستان سے بھی اس کے قریبی ثقافتی تعلقات رہے ہیں۔ (ابوالفضل البرتاسہ ص ۲۲۱) و نیز دیکھو فرشتہ) اور بہت سے ترکستانی علماء اور شعراء اس کے دربار سے منسلک رہے ہیں اسکے علاوہ سلطان سلیمان قانونی کا ایک کپتان امیر البحر سیدی رئیس جب سندری طوفان اور پرنگیزوں سے مقابلے کی وجہ سے اپنے جہازوں کے ایک حصہ سے محروم ہو گیا اور باقی ماندہ جہازوں کو لے کر تجارت کے ساحل سے ہو کر سندھ کے راستے سے دہلی تک پہنچا اور کئی مہینوں تک ہمایوں کے پاس رہا۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے اسطراب سازی، تنظیم محاسبات، کسوف و خسوف کے حالات، سیر کوکب، علم نجوم و فلکیات اور جغرافیہ کی تعلیم میں اس کی بڑی مدد کی۔ سیدی رئیس کا بنایا ہوا اسطراب اسطراب ہمایونی کے نام سے بڑا مشہور ہے۔ (کبرتارہ ص ۲۲۱) اور اس کے علاوہ ہمایوں کی طرف سے ایک مراسلہ کابل سے سید احمد شاہ سفیر کے ذریعہ سلطان سلیمان قانونی کے نام "۱۰ رمضان ۹۵۵ھ" کو بھیجا گیا جس کا اصل نسخہ "توپ قابلی سرائے" استنبول میں موجود ہے۔ جس کے ڈائریکٹر خیر اللہ اورس نے اس سال کے اوائل میں اس مراسلہ کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی جناب ممتاز حسن صاحب منیجنگ ڈائریکٹر نیشنل بینک آف پاکستان کو پیش کی ہے۔

اکبر کے زمانہ میں بھی ترکستان سے قریبی سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم رہے ہیں۔ اور بہت سے ترکستانی علماء، شعراء اور خطاط نے اکبر کے علم پرورد دربار سے وابستہ رہ کر اس کے دربار کو روح بخشی، نہ صرف یہ بلکہ بڑے صغیر اور ترکستان کے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں ہونے والے واقعات سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ جب اکبر نے دین الہی کا ردواج دیا اور اس کے "معتقدات کی تہمت" ترکستان تک پہنچی تو والئی ترکستان عبداللہ خاں ازبک نے ایک سفارتی وفد

لہذا اس کے ذوالکبر کو طاعت کی اور اکبر نے اس کی تردید میں ایک کتب کے ساتھ
میراں صدر اور حکیم کو سفیر بنا کر عبداللہ خاں ازبک کے پاس بھیجا اور اپنے جوابی مراسلہ
میں یہ اشعار لکھے۔

قیل ان الله ذو ولد قیل ان الرسول قد کہنا
ما نجا الله والرسول معا من لسان الومری فکیف انا

{ آیتہ اکبری ترجمہ بلوچ میں ص ۵۲ }
{ مکاتیب الفضل طبع نول کشور ص ۲۷۴ }

تاریخ سید راتم بخاری سلسلہ ۴ (نسخہ خطی) و نیز علی والدہ غستانی (ریاض شہزاد)
کی روایت کے مطابق اکبر عبداللہ خاں ازبک بادشاہ بلخ و بخارا کے درمیان اس باغی
مستزاد کا بھی تبادلہ ہوا ہے۔

اکبر

مہم ہمہ در فراق و ہجراں بگذشت بادرد و الم
ایں عمر گراں مایہ چہ ارزاں بگذشت با غصہ و یخ
عمرے کہ نشد صرف سمرقند و صری با عیش و طرب
افسوس کہ ہوا گرہ ویراں بگذشت با محنت و غم

عَبْدُ اللَّهِ خَانِ اُزْبَكِي

مرغ ہوست ہمیشہ بے بال و پر است در خود مستیز
دریا سے جو عقل تو بے گہراست از دہر پند
در شہر سمرقند و صری شیرانند اے غام طمع
ہوا گرہ دلاہور ترا صد خطر است ز ہمار گوشت

اسید حام الدین راشدی، مقالات الشعراء ص ۴۹ حاشیہ نمبر ۳ بزم تیموریہ، سید

صبح الدین - ص ۵۰ .

اگرچہ تذکرہ مقالات اشعار میر علی شہید قانع تنوی ص ۴۹ چاب جذب
سید مسام الدین راشدی ششہ ۱۹۵۶ء میں اس مستزاد کو جسے سید ر قم بخاری اور علی
والہ واغستانی نے اکبر کی طرف منسوب کیا ہے۔ باہر سے نسبت دی ہے لیکن یہ بات
ظاہر ہے کہ عبداللہ خاں ازبک باہر کا معاصر نہیں، بلکہ اکبر لا معاصر تھا
حقیقت جو بجلی یہ ثابت ہے کہ باہری خاں اور ترکستان کے دیوانے ہیں اس لیے
مستزاد کا بتلوا ہوا ہے۔

شاہجہاں کے ترکی سے تعلقات

تاریخ سلجودار جلد اول ص ۱۴۴ میں بکوالی کی طرف سے شاہجہاں کے
دربار میں فرستادہ ایک سفیر بنام سمانزادہ حسین آغا کی ششہ ۱۹۵۶ء میں مستنوں کو واپسی
کا ذکر ہے۔ جو شاہجہاں کے فرزند سلطان مراد بخش کی طرف سے ایک مراسلہ
مع ہدایا و تحائف کے لایا۔ جس میں ۴۶ قراچی ایک ہیرا بھی شامل تھا۔ اس روایت
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مراد بخش نے جو گجرات کا دانی تھا ششہ ۱۹۵۵ء دسمبر کے
مہینے میں انہما بادشاہت کا اعلان کیا تھا اور ششہ ۱۹۵۵ء اپریل کے مہینے میں اورنگ زیب کے
ساتھ مصالحت کر کے بالآخر اپنے بھائی کی طرف سے اسی سنہ میں مجبور کیا گیا
اسی دوران میں ترکی سفیر نے شہزادہ مراد بخش سے ملاقات کی تھی اور یہ مکتوب
اسی وقت حاصل کیا گیا۔ (حکمت یاور - ہندوستان تاریخی جلد ۲
ص ۲۵۰)

شاہجہاں کے ترکستان سے تعلقات کے بارے میں شاہجہاں نے
ششہ ۱۹۵۶ء میں مراد بخش کی زیر نگرانی اور قیادت میں اور ششہ ۱۹۵۶ء میں شہزادہ اورنگ

زیب کی قیادت میں بلخ و بدخشاں جو والی بخارا نظر محمد خاں کے زیر نگیں تھے، کو فتح کرنے کے لئے فوج روانہ کی۔ اور عبدالحمید لاہوری کی روایت کے مطابق بلخ و بدخشاں کو فتح کرنے کا مقصد اپنے آبائی وطن، تیموری خاندان کے قدیم پایہ تخت "عرش نشان" سمرقند کو فتح کرنے کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ لیکن خواہ مراد بخش ہو یا اورنگ زیب کسی نے آسودہ ریا کے اُس پار گزرنے کی کبھی بہت نہیں کی۔

(ڈاکٹر سید معین الحق - جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی - جلد ۱ ص ۱۹ بحوالہ عبدالحمید لاہوری - ص ۴۸۲)

اورنگ زیب کے ترکستان کے تعلقات

جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو اس کے زمانہ میں ترکستان یعنی بخارا، اور گنج - کاشغر - بلخ اور دوسرے اسلامی ممالک سے نہ صرف سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم رکھے گئے بلکہ س قسم کے تعلقات کو اور ان ممالک کے اندرونی حالات سے باخبر رہنے کو بڑی اہمیت دی گئی۔ خاص کر برصغیر اور ترکستان کی مذکورہ ریاستوں کے درمیان بڑی تعداد میں سفیروں کا تبادلہ کیا گیا۔ مالگیر کی تخت نشینی پر مبارک باد دینے کے لئے ترکستان کا پہلا سفیر بلخ کے والی سبحان قلی خاں کی طرف سے ابراہیم بیگ نامی ایچی اور بخارا کے والی عبدالعزیز خاں کا سفیر خوجہ احمد پہونچا۔ مسئلہء مالگیر کی طرف سے ان سفیروں کے جواب میں مصلحتی خاں کو بہت سی ہدایا و تحائف کے ساتھ سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ یہ سفر اپنے ساتھ بہت قیمتی تحائف اور مراسلے بھی لائے تھے۔ مگر مالگیر کے مورخین نے ان مراسلوں کے متن نقل نہیں کئے۔

بخارا سے آئے ہوئے سفیر

بخارا سے مذکور خوجہ احمد کے بعد دو اور سفیر عبداللہ بیگ مسئلہء مالگیر میں اور

رتھ بیگ بھی اسی سال عالمگیر کے دربار میں پہنچے۔ ۱۶۷۷ء میں عالمگیر کی طرف سے
 یکتا زخان نام کا ایک سفیر بخارا بھیجا گیا۔ ۱۶۷۸ء میں محمد شریف ۱۶۷۹ء میں خوجہ
 نعمت اللہ ۱۶۸۰ء میں رحمان قی ۱۶۸۱ء میں بدر بیگ (یا نذر بیگ) اور ۱۶۸۲ء
 میں قطب الدین خاں نام کے سفیر وانی بخارا کی طرف سے سفارتی مشن پر عالمگیر
 کے دربار میں پہنچے۔ (ماثر عالمگیری - ترجمہ جلد و ناکھ سرکار ص ۴۱-۴۲
 ۳۳، ۶۶، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ - مکتبہ باور سہنستان تاریخی - حیدرآباد)

(ص ۲۶-۲۷)

عبداللہ بیگ اور خوجہ نعمت اللہ کا مکتبہ باور نے ذکر کیا ہے مآثر عالمگیری
 دائرہ نثری ترجمہ میں ناکا ذکر نہیں ہے۔

بلخ سے آئے ہوئے سفراء

مذکور ابراہیم بیگ کے بعد ۱۶۷۷ء میں خوشی بیگ یا خوشماں بیگ نام کا
 سفیر عالمگیر کے دربار میں پہنچا ہے۔ ۱۶۷۸ء عالمگیر نامہ ص ۱۰۵، ۱۰۶ میں شادمان
 خوجہ ۱۶۷۹ء میں ملا محمد طاہر - عالمگیر کے مشہور محتسب و دعویٰ دہیہ الدین کا
 بھائی - دونوں ۱۶۷۹ء میں عالمگیر کی طرف سے ترکستان بھیجے ہوئے سفیر کے
 ساتھ آئے۔ ۱۶۸۰ء میں سبحان قلی خاں کا اتالیق نصر بیگ اور قلندر بیگ بلخ کی
 طرف سے عالمگیر کے پاس سفیر کی حیثیت سے پہنچے۔ ان دونوں کا راستہ میں
 بہت شائدار استقبال کیا گیا۔ اول الذکر کو کابل کے خزانے سے پانچ ہزار روپے اور
 لاہور کے خزانے سے بھی اتنی ہی رقم اور آخر الذکر کو ایک خلعت، ایک خنجر اور
 ایک ہزار روپیہ نقد دیا گیا۔ (ماثر عالمگیری ص ۱۱۹)

اس کے بعد ۱۶۸۰ء میں یعنی چوبیس سال کے بعد بلخ سے خوجہ زاہد نام کا ایک

سفیر پہونچتا ہے (حکمت باپور ماخذ مذکور ص ۲۴۶)

اورنج کی ریاست سے آئے ہوئے سفیر

۱۷۳۳ء میں اورنج کے والی محمد خاں کی طرف سے دیوان بگی اشم بیگ اور ۱۷۳۴ء میں اورنج کے والی انوشہ خاں کی طرف سے صوفی بہادر اور ۱۷۳۵ء میں خان مرزا مذکور انوشہ خاں کی طرف سے سفیر بن کر آئے۔ (حکمت باپور صفحہ ۲۴۶) مآثر عالمگیری (ص ۴۸) میں صوفی بہادر کے نام سے ایک امیر کا کا شختر سے عالمگیری کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے آنے کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی صوفی بہادر ہو جو پہلے کا شختر پہونچا اور اس کے بعد عالمگیری کی خدمت میں پہونچا ہو۔ چنانچہ مآثر عالمگیری آغا احمد علی نے ان دلوں کے ایک ہی آدمی قرار دیا ہے، اذیکو حکمت باپور مذکور ماخذ ص ۲۴۶ اور نوٹ نمبر ۲)

کا شختر سے آئے ہوئے سفرا

۱۷۳۳ء میں عبداللہ خاں والی کا شختر کی طرف سے حاجی فولاد عالمگیری کی خدمت میں پہونچا۔ ۱۷۳۴ء میں عالمگیری کی طرف سے خوجہ اسحاق ایچی کی حبشیت سے کا شختر بھیجا گیا۔ لیکن وہ وہاں کے انتشار کی خبر سن کر راستہ ہی سے واپس لوٹ آیا۔ (عالمگیر نامہ ص ۴-۹۸۳) جب عبداللہ خاں والی کا شختر اپنے ظلم بستم اور شکاک کی وجہ سے تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوا تو وہ کشمیر کے راستے مکہ جاتے ہوئے رہی پہونچا تو عالمگیری کی طرف سے کشمیر سے لے کر دہلی تک راستہ میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور اس مقصد کے لئے کشمیر اور لاہور کے گورنروں میں سے ہر ایک کو ہزار ہزار روپے کی منظوری دیدی اور اس کی

بھیجتا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مشہور ترکستانی عالم خواجہ عبدالغفار کی طرف سے جو مکتوب آتا تھا اس کے جواب میں ہزار روپے حتیٰ کہ بعض اوقات دس ہزار روپے بھیج دیا کرتا تھا۔ اور اس کے علاوہ ہندوستان کی جہنم پیداوار بھی اپنے حساب میں بھیج دیا کرتا تھا۔ چنانچہ عالمگیر نامہ میں توران کے عالمگیر کے وظیفہ خور علاء اور شاہ کی ایک لمبی فہرست بھی درج ہے۔

ترکستان اور ایران سے جو علاء ہندوستان آتے تھے عالمگیر کی طرف سے ان کی بڑے اعزاز کے ساتھ پذیرائی ہوتی تھی۔ چنانچہ سابق والئی ازبک نظر محمد خاں کا داماد اور ترکستان کا مشہور عالم خواجہ محمد یعقوب جب ہندوستان پہنچا تو اس کے لئے دس ہزار روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ (حکمت بیور۔ ماخذ مذکور ص ۲۲۸ بحوالہ مآثر عالمگیری ص ۱۴۰)

برٹنیر نے اپنے سیاحت نامہ میں اورنگ زیب کی پانچ سالہ جنگ ختم ہونے کے بعد۔ ازبک اور بلخ کے حکمرانوں کی طرف سے دو سفارتی وفود کے آنے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ان سفیروں کے نام نہیں بتاتا۔ ممکن ہے یہ وہ دو سفارتی وفود ہوں جو پہلی مرتبہ والئی بخارا اور والئی بلخ کی طرف سے عالم گیر کی تخت نشینی پر مبارکباد دینے کے لئے پہنچے تھے۔ برٹنیر کے بیان کے مطابق یہ دو سفارتی وفود اپنے ساتھ نہایت قیمتی تحائف جن میں قیمتی لعل سے بھرے ہوئے دو صندوق، لہجے بالوں والے اونٹ، بہت سے خوبصورت گھوڑے۔ اور کئی اونٹوں پر لدے ہوئے تازہ میوے، مثلاً سیب، ناشپاتی، انگور اور خربوزے وغیرہ لئے تھے۔ ان تحائف کے عووض سفارتی وفود کا عالمگیر کی طرف سے نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ اور ان کو سراپا دستار کمر بند بھول کرٹے ہوئے ریشمی کپڑے وغیرہ بطور تحفہ دئے گئے۔

برنیزان سفارتی وفد کے بہت سے اراکین کا زندگی اور کنجوئی کی وجہ سے
 مرنے کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن ہم برنیز کے اس بیان سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ کیونکہ
 جو آدمی ترکستان کے سردار و خوشگوار آب و ہوا کے علاقے سے ہندوستان آتا ہے
 اس ملک کی شدید گرمی اس کی طاقت کا باعث ہونے کے لئے کافی ہے۔
 برنیز لکھتا ہے کہ جو روپیہ عالمگیر کی طرف سے ان سفیروں کو بحیثیت مدد خرچ دیا
 جاتا تھا وہ اس کو خرچ نہیں کرتے بلکہ ذخیرہ اندوزی کر کے نہایت غربت کی حالت
 میں زندگی بسر کرتے تھے جو ان کی سفارتی شان کے خلاف تھی۔ شاید برنیز نے ان
 ترکستانی لوگوں کی یورپین لوگوں کے برعکس سادہ اور بلاادبد بد زندگی کو دیکھ کر یہ
 اشتباہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرد بھی ان کی سادہ زندگی کو دیکھ کر ہمارے تعجب کرتا
 ہے۔ ان سفارتی وفد کی روانگی کے وقت بھی اورنگ زیب اور دوسرے امراء کی
 طرف سے ان کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب
 ترکستان اور برصغیر کے درمیان تجارتی تعلقات نہایت اچھے تھے۔ ترکستان سے
 بہت سے تازہ اور خشک میوے۔ آلو بخارا، زرد آلو اور مختلف اقسام کے کشمش
 وغیرہ اموال درآمد کئے جاتے تھے۔ دیکھو برنیز نے ٹریڈ اراں دی مغل ایسپائر
 جلد اول ص ۱۱۶ و ما بعد یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس میں صدی میں جس
 وسائل نقل و نقل اور ریل و سائل نے بڑی ترقی کی ہے۔ اور فاصلہ کی کوئی وقعت
 نہیں رہی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے لوگ ترکستان کی ان نعم البدل نعمتوں
 سے محروم ہیں اور ان مملکتوں کے لوگ ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے ہیں۔

اورنگ زیب کے ترکی سے تعلقات

اگرچہ عالمگیر کی پچاس سالہ دور حکومت (۱۶۵۷ء تا ۱۷۰۷ء) میں برصغیر اور

دوسرے اسلامی ممالک خاص کر بلخ، بخارا، کاشغر اور اورنگزیہ کے درمیان بہت سے سفارتی دفتروں کا تبادلہ ہوا اور نیز شریف مکہ اور بصرہ جو کہ عثمانی سلطنت کے صوبہ جاتوں میں سے تھے ان کے والیوں کے ساتھ قریبی تعلقات قائم رہے ہیں چنانچہ والی بصرہ حسین پاشا سلاطین میں ایک سفیر دہلی بھیجا اور ۱۶۶۳ء میں خود حسین پاشا دہلی میں پناہ لینے آیا۔ اور اعلیٰ منصب (ہیج ہزاری) پر فائز ہوا۔ خلف حسین پاشا بھی پاشا نے نیز ۱۶۶۳ء میں ہندوستان میں پناہ لی اس کے باوجود عالمگیر کی پچاس سالہ دور حکومت میں سوائے احمد آغا کے جو کہ سیمان دویم کی طرف سے دہلی بھیجا گیا تھا عالمگیر کی طرف نامعلوم وجوہات کی بنا پر کوئی سفیر ترکی نہ پہنچا۔ (حکمت باور۔ بلٹن نمبر ۵۴ ص ۲۶۹ اور ہندوستان تاریخی جلد نمبر ۲ - ص ۲۵۰)

حکمت باور کی رائے کے مطابق اس کی وجہ تیموریوں کا آل بایزید کے مقابلے میں اپنے موقف کو بلند سمجھنا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب عالمگیر ایران کے تعلقات بگڑ گئے اور ایران کی طرف سے ملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو ۱۶۶۲ء اور ۱۶۶۳ء کے درمیان عالمگیر نے عثمانی دربار کو ایک سفیر بھیجنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس ارادے کو نامعلوم وجوہ کی بنا پر عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔ حکمت باور کی رائے میں اس کا سبب کوئی سیاسی سوجھ بوجھ یا اس کی تحت نشینی کے موقع پر ترکی سے کسی کا نہ آنا تھا۔ (حکمت باور۔ ماخذ مذکور ص ۱۷۰) ہر حال میں "اخبارات دربار علی" جو کہ عالمگیر کے دور سے متعلق ایک رسمی ریکارڈ ہے اور جس کے بہت سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور کچھ حصے ریاست جے پور کے آرشیو میں موجود ہیں (دیکھو جے سرکار *Aurangzib's History of Aurangzeb* جلد ۲ ص ۱۱۸ فٹ نوٹ)، جس میں ۱۶۶۵ء میں سلطان روم محمد چہارم کے

عہد حکومت میں مالگیر کے شاہ خواجہ نام کے ایک سفیر کو بھیجنے کے ارادے کا ذکر ہے۔ لیکن نہ ہی عثمانی ماخذ میں اور نہ ہی عہد اورنگ زیب کے ماخذوں میں اس سفیر کے علاوہ بھیجنے کا کوئی ذکر ہے۔ حرکت با یورپین مذکور۔

(ص ۲۶۰)

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ سفیر بھیجنے کا ارادہ کیوں کیا گیا اور پھر اس ارادے کو ملتوی کیوں کر دیا گیا۔ اس کے وجوہات کا اندازہ لگانے کے لئے اس زمانے کے ایران اور ہندوستان کے تعلقات پر ایک نظر ڈالنی چاہئے۔ ان واقعات کی تفصیل کے لئے دیکھو۔ (مالگیر نامہ ص ۹۸۲، ۹۸۵۔ احکام مالگیری۔ احکام ۵ منتخب الباب جلد ۲۔ ص ۲۰۲۔ فیض اقوانین۔ ص ۹۹، ۹۶ سرکار ہسٹری آف اورنگ زیب۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۰، ۱۱۳)

یہ وہ زمانہ تھا جب مالگیر اور ایران کے صفوی خاندان کے شاہ عباس دوم کے درمیان تعلقات بگڑ چکے تھے۔ اور دونوں کے درمیان تہدید آمیز مکاتبات تبادلہ ہونے لگا تھا تربیت خاں جو سفارتی مشن پر ایران بھیجا گیا تھا جب دسمبر ۱۶۲۹ء میں آگرہ ہوا تو شاہ عباس دوم کی طرف سے ایک تہدید آمیز مکتوب بھی لایا۔ شاہ عباس نے اپنے اس خط میں مالگیر پر الزام لگایا تھا کہ وہ کمزور ہے اور اس کی کمزوری کی وجہ سے مرہٹوں کا سردار کافر شیواجی طاقتور ہو گیا ہے۔ اور مالگیر کا لقب اس کو زیب نہیں دیتا۔ وہ ایک غاصب ہے جو اپنے باپ کو قید میں ڈال کر اور تخت کے حقیقی وارثوں یعنی اپنے بھائیوں کو مردا کر ان کے حقوق کو غصب کیا۔ اور شریعت و عدالت کے راستے سے منحرف ہو گیا۔ شاہ عباس نے اپنے بارے میں لکھا کہ وہ شہنشاہ عالم پناہ ہے۔ ہمایوں کی مدد کے اس نے اس کا تخت اس کو واپس دوبارہ دلادیا۔ اور ضعیفوں کی مدد کرنا اس کا شیوہ ہے۔

اگر عالمگیر کا موقف یہی رہا تو وہ ہندوستان پر بذات خود فوج کشی کر کے اس ملک کو فتنہ و فساد سے نجات دلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ شاہ عباس دوم نے نہ صرف اس خطے کے نکلنے پر اکتفا کیا بلکہ اس نے بڑی تعداد میں فوج جمع کر کے اصفہان سے ہندوستان کی طرف یورش بھی کی جب عالمگیر کو ایران میں اپنے ملک التجار محمد صادق سے اس یورش کی خبر ملی تو اس نے بھی ایک بڑی سی فوج لے کر اس کے مقابلے کے لئے ہندوستان سے حرکت کی حتیٰ کہ دونوں طرف کی فوجیں ایران اور ہندوستان کی سرحد پر جمع ہونے لگیں لیکن اسی اشار میں شاہ عباس دوم ایک ناگہانی مرض سے دو چار ہو کر مر گیا۔ اس کے مرنے پر جنگ اور تعلقات کے بگڑنے کا خطرہ ٹل گیا حکمت باپور کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں ایران کے خلاف ترکی سے مدد حاصل کرنے اور کم از کم اس کی دوستی حاصل کرنے اور ایران کے مغربی حدود میں شاہ عباس کو مشغول کرنے کے خیال سے عالمگیر نے اس سفیر کو بھیجنے کا ارادہ کیا ہو شاہ عباس کی ناگہانی موت سے جب خطرہ ٹل گیا تو سفیر بھیجنے کا ارادہ بھی ختم کر دیا گیا۔ (حکمت باپور - ماخوذ مذکور ص ۲۷۱)

ترکی سے احمد آغا کی آمد

اس واقعہ کے بیس سال بعد سلطان سلیمان دوم کی طرف سے احمد آغا نام کا ایک سفیر مع مراسلہ کے ہندوستان بھیجا گیا۔ مآثر عالمگیری (ص ۲۰۳) میں قیصر ہم کے سفیر احمد آغا کی آمد کا ذکر ہے یہ بھی مذکور ہے کہ احمد آغا۔ کاشغر کا سفیر عبدالرحیم بیگ اور بخارا کا سفیر نضر بیگ ایک ساتھ عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوئے اور مکاتیب و تحائف پیش کئے۔ اور ان تینوں سفیروں کو انعامات سے نوازا گیا۔ اور ان کی اقامت کے دوران اور ان کی دہلی بدان کو بشمول خلعتوں کے قیمتی جواہرات

ایک بڑے حصے کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ دینی، مراد یا اور آتنہ کے ساتھ ملکر مرکزی یونانستان کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ حتیٰ کہ ڈیلاچیا اور بوسنہ تک پہنچ گئے تھے۔ اس کی وجہ سے سلطنت عثمانی کا موقف ایک نازک اور خطرناک مرحلے سے گزر رہا تھا اس کے برعکس جب عثمانی سفیر ۱۶۹۹ء میں ہندوستان کو روانہ ہوا عالمگیر کی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عالمگیر نے بیجا پور کے حکمران عادل شاہی جو سلطان محمد فاتح کا بھائی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، کی ریاست اور ترکوں کے آق قویونلو قبیلہ سے مضروب گولکنڈہ کے حکمران قطب شاہی خاندان کو ختم کر کے ان دونوں ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اسی طرح جنگجو مرہٹوں کو کچل کر ان کے اقتدار کو بھی ختم کر دیا تھا کہنا یہ ہے کہ سارا ہندوستان اور افغانستان کا ایک حصہ عالمگیر کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ (حکمت بالیور۔ بلٹن مذکور ص ۲۷۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مراسلہ ان حالات کے تحت ہی جائیگا تھا۔ اگرچہ مراسلہ کا لب و لہجہ حکمت بالیور کی رائے کے مطابق عالمگیر کے شایان شان نہیں تھا۔ اور بیشتر اپنی تعریف، ستائش اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اپنی عظمت جتانے اور جہاد پر ترغیب دینے پر مشتمل تھا اور اس کے علاوہ عالمگیر کا پورا نام اور اس کے رسمی اہتمام و عناوین کی رعایت بھی نہیں کی گئی تھی، اس کے باوجود ظاہری طور پر سفیر اور مراسلہ کو خاصی اہمیت دی گئی۔ لیکن درحقیقت وہ سلطان سلیمان دوم کے اس مراسلہ کے لب و لہجے سے ناراض ہو گیا تھا۔ شاید یہی سبب تھا جس کی بنا پر اس سفارت کے جواب میں اس نے ترکی کو کوئی سفیر بھیجنے کا ارادہ نہیں کیا۔ یہ مراسلہ جو آرٹھو صلد اعظم نمبر ۵۔ نامہ دفتری میں ص ۵۵ سے صفحہ ۱۱۰ تک درج ہے۔

یہ مراسلہ قدیم کلاسیکی ترکی میں لکھا ہوا ہے۔ اس مرحلہ کا ڈیلاچیا مذکور کے صفحہ ۷۷۰ کے بعد ملحق

مرشد قلی خاں کی مالی صلاحیت

پروفیسر عبد المجید صدیقی

مرشد قلی خاں دیوان دکن ہندوستان کی ان شخصیتوں میں سے تھے جن کا نام اور کارنامے سفل تاریخ کی زیب و زینت ہیں یہ ایک جلیل القدر امیر اور مدبر سیاست تھے۔ انہوں نے اورنگ زیب کی شہزادی اور شہنشاہی دونوں موقعوں پر ان کا ساتھ دیا اور دل کھول کر مدد کی، ان کی فرض شناسی، دہ وفاداری ضرب مثل بنی ہوئی ہے۔ مرشد قلی خاں نے شمال اور دکن دونوں جگہ کام کیا تھا اور نعل شہنشاہیت کا وقار بڑھایا تھا۔ جنگ برادران میں یہ اورنگ زیب کے ہمرکاب تھے۔ اور چند درجہ داد شجاعت دی تھی، دکن میں تو ان کی خدمات بے پایاں ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ اور تاریخ ان خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مرشد قلی خاں یوں تو سپاہی آدمی تھے اور ان کے بزرگوں کا پیشہ سپاہگری تھا۔ لیکن یہ بات دلچسپی سے غالی ہیں کہ جب ان کو سیاست اور نظم و نسق کے میدان میں لایا گیا تو یہ سب سے زیادہ صاحب تدبیر اور معاملہ فہم ثابت ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رزم و بزم دونوں میدانوں کے مرد تھے۔ نظم و نسق کے شعبے کو انہوں نے اس طرح سنوارا جس طرح میدان کارزار میں وہ سپاہی نہ جو ہر دکھاتے تھے سفل مورخ ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ "یہ کارروائی دسمالہ فہمی تمیاز تمام داشت" ہمیشہ ان کے ہر کام کی داد ملتی رہی اور اور یہ جہاں گئے آفریں کی آدایں بند ہوئیں۔ اورنگ زیب ان کے متعلق لکھتے ہیں

کہ مرشد قلی خاں بندہ کار آمد درگاہِ معلیٰ است۔ خدمت مرجوعہ از روئے امانت و دیانت بہ تقدیم رسانیدہ، در پرداخت ہما ت بالانگھاٹ و آیا و کاری دقیقہ از دقائق سعی و اہتمام فرو نگداشتہ^۱۔

مرشد قلی خاں ذات کے ترک تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بزرگ خراسان میں بس گئے تھے۔ اور اسی وجہ سے غالباً مرشد قلی خاں خراسان میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے مورخ ان کو خراسانی لکھتے ہیں۔ ان کا بچپن اور تعلیم و تربیت کا حال تاریخی میں ہے۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم سپاہیانہ ہوئی تھی کیوں کہ ان کے بزرگ سب سپاہی پیشہ تھے۔ وہی ان کی علی زندگی تو وہ قندھار سے شروع ہوتی ہے جہاں صفوی حکومت کی جانب سے علی مردان خاں قلعہ دار تھا۔ اس زمانہ میں قندھار اپنے حربی اور جغرافی محل وقوع کے اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ یہ ایرانی اور مغل حکومت کے درمیان مابہ النزاع تھا اس پر کبھی ایرانی حکومت قابض ہوئی تو کبھی مغل۔ اکبر اور ہمایوں کے عہد میں قندھار مغل سلطنت کے زیر نگین تھا۔ لیکن ^{۱۶۱۹} میں اپانک صفوی اس پر قبضہ کر بیٹھا اور علی مراد خاں زبک کو اس کا قلعہ دار بنا دیا۔ لیکن چند سال کے بعد شاہ عباس صفوی تائی اس سے ناراض ہو کر اس کے درپے آزار ہو گیا۔ اس نے علی مردان خاں ڈر کر مغل شہنشاہ کا سپہارا ڈھونڈنے لگا۔ اور بالآخر ^{۱۶۲۲} میں بعد شاہجہاں علی مردان خاں نے قندھار مغل سلطنت کے حوالے کر دیا اور ہندوستان آگیا۔ شاہجہاں نے اس خدمت کے صلے میں اس کو پہلے بیچ ہزاری اور بعد کو ہفت ہزاری امراء کی صف میں جگہ دی اور امیر الامراء کے خطاب سے سرفراز کیا۔ علی مردان خاں ہندوستان میں

تنہا نہیں آیا بلکہ اس کے حاشیہ کے دس افراد اور اس کے ساتھ ہندوستان
آئے۔ اور مختلف خدمات اور اعزازات سے سرفراز ہوئے۔ منجملہ ان کے ایک مرشد
قلی خاں تھی تھے۔

چونکہ علی مردان خاں امیر الامرا دربار میں بہت عزت تھی اس سے مرشد
قلی خاں کو بہت فائدہ پہونچا۔ کیوں کہ یہ علی مردان خاں کے خاص نوکر اور منظورِ نظر بھی
تھے۔ اور انہوں نے ہی مرشد قلی خاں کی شاہجہاں سے سفارش کی اور شہنشاہ سے
روشناس کرایا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بہت جلد مرشد قلی خاں کی کارکردگی شہنشاہ
کی نظر میں چمک گئی۔ اور یہ مختلف خدمات پر فائز کئے گئے۔ علی مردان خاں کے تقرب
اور احسانات کی وجہ سے جو مرشد قلی خاں کو حاصل تھے آخر انہوں کو موسخ علی مردان
خاں کہتے ہیں۔ اگرچہ مرشد قلی خاں کا نمایاں کام جس سے ان کو شرف و دام حاصل
ہے دکن میں ہوا ہے لیکن ان کی پہلی خدمات بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ ان کی مختصر سرگزشت
یہ ہے کہ ۱۰۳۵ھ میں یہ پنجاب کے دیوان بنائے گئے تھے اور ۱۰۵۱ھ میں ملتان کے
دیوان ہوئے اور ۱۰۵۲ھ میں توپ خانہ کے داروغہ در کوتوال عسکر ہوئے اس کے
بعد ۱۰۵۴ھ میں فیل خانہ کے داروغہ ہوئے اور ۱۰۵۵ھ میں دامن لوہ کانگرہ کے فوجدار
مقرر ہوئے۔ اور ۱۰۵۶ھ میں جب عبدالعزیز خاں ازبک کے خلاف جو بلخ کو ہم
بھی گئی اور شاہزادہ اورنگ زیب کو فوج کی کان دی گئی تو مرشد قلی خاں کو بھی اس
ہم کا بخشی بنادیا گیا۔ جبوس شاہجہانی کے چھبیسویں سال ۱۰۶۰ھ میں جب شاہزادہ
اورنگ زیب کو دکن کا ناظم بنایا گیا تو مرشد قلی خاں کو بالاکھاٹ کا دیوان بنایا گیا اور
ان کے منصب میں پانچ صدی کا اہل اضافہ ہوا۔ اور خان کا خطاب عطا ہوا۔

دکن میں مرشد قلی خاں کا کام ۱۱۶۳ھ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ اورنگ زیب کی دوسری صوبہ داری کا زمانہ ہے جو ۱۱۶۵ھ تک جاری رہا۔ اسی صوبہ داری سے یہ مسلح ہو کر حصول تخت کے لئے آگے بڑھے۔ پہلی صوبہ داری ۱۱۶۳ھ سے شروع ہوئی تھی جو ۱۱۶۵ھ تک جاری رہی۔ یہ صوبہ داری بے معنی نہ تھی اس میں نہ صرف فتوحات ہوئیں بلکہ دکن کے نظم و نسق میں ڈھنگ پیدا ہوا۔ اگر یہ صوبہ داری برابر قائم رہتی تو دکن کو اور فائدہ پہنچتا۔ اور اسلامی الجھنیں نہ پیدا ہوتیں۔ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ ۱۱۶۴ھ میں اورنگ زیب اچانک شمال ہٹ گئے اور خدمت سے معزول ہو گئے، اور ان کے جاتے ہی دکن کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا۔ اس وقت دکن کا صرف شمالی خطہ مغل حکومت کے زیر نگین تھا۔ اور مغل نظم و نسق کے مطابق اس کے چار صوبے بنائے گئے تھے۔ اور یہ، فاندیش، احمد نگر برار اور دہت آباد کے نام سے موسوم تھے۔ اولاً ذکر تین صوبے تو شہنشاہ اکبر کے عہد یعنی ۱۱۶۱ھ اور ۱۱۶۱ھ میں فتح ہوئے تھے۔ اور آخری دولت آباد شاہ جہاں کے عہد میں ۱۱۶۳ھ میں مسخر ہوا تھا ۱۱۶۴ھ کے بعد جب اورنگ زیب شمال چلے گئے تو یہ چاروں صوبے بے ہنگام ہو گئے۔ یہ جدید مقبوضات تھے اور ان پر کڑی نگرانی کی ضرورت تھی کہ حالات اور معاملات کو سمجھ کر نظم و نسق کے کل پرزوں کو متحرک کیا جائے۔ لیکن اورنگ زیب کے جاتے ہی یہاں بے نظریاں شروع ہو گئیں اور جو عہدہ دار اس خلا کو پُر کرنے کے لئے دکن بھیجے گئے تھے یعنی خان دوراں، جے سنگھ، اسلام خان مشہدی، شاہنواز خاں، مراد بخش شاہتہ خاں سب ناکام ہوئے۔ ان لوگوں کو دکن کے خاص حالات ہی کھٹنا مشکل تھا تو یہ معاملات کیا سلجھاتے، زراعت خراب ہوئی تو مالیہ بھی خراب ہو گیا۔ اور قحط کی بلائیں

علیحدہ تھیں مغل تسلط کے ڈر سے کاشتکار گھر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اور کئی دیہات بے چراغ ہو گئے۔ اور جب اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ میں دوسری دفعہ ناظم دکن ہو کر آئے تو دکن میں اندھیر چھایا ہوا تھا۔ خود اورنگ زیب کے الفاظ میں ”بہ سبب است اندازی و غفلت صوبہ داران رعایا مستغرق گردیدہ و تمامی آن ولایت از انتظام و رونق افتادہ“ ان بگڑے ہوئے حالات کو سبھی نا آسان نہ تھا۔ پہلے زراعت کو درست کرنا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کی سلطنتوں کا دار و مدار راضی کی آمدنی پر تھا۔ سی ذریعہ آمدنی سے تمام سلطنتیں چلتی تھیں ان حالات میں سوائے اورنگ زیب کے دوسرا شخص اصلاح حال نہیں کر سکتا تھا اسی وجہ سے اورنگ زیب کو دوبارہ صوبہ دار بنا کر بھیجا گیا۔

لیکن اب اصلاح حال کے لئے چند پختہ کار اور سمجھدار آدمیوں کی ضرورت تھی اورنگ زیب نے اس کام کے لئے دو عہدہ دار منتخب کئے ایک مرشد قلی خاں اور دوسرے ملتفت خاں اور یہ انتخاب اورنگ زیب ہی کا حصہ تھا۔ وہ بڑے مردم شناس حکمران تھے۔ اچھے اور بڑے کو خوب پرکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے لکھا تھا ”آدم خوب مثل ملائے بغیش است“ یعنی اچھا آدمی کھرے سونے کے برابر ہے۔ مرشد قلی خاں کو بلا گھاٹ سپرد کیا گیا۔ جس میں ڈھائی صوبے یعنی احمد نگر، دست آباد اور آدھا برار شامل تھے اور ملتفت خاں کو پائیں گھاٹ دیا گیا جس میں صرف ڈیڑھ صوبہ یعنی عابینہ اور آدھا برار شامل تھے۔ لیکن تین سال کے بعد پائیں گھاٹ بھی مرشد قلی خاں کو تفویض کر دیا گیا۔ کیوں کہ یہی اس کام کے لئے موزوں تھے اور اب یہ چار صوبوں کے دیوان ہو گئے اور کبھی بات یہ ہے کہ ان صوبوں کا نظم و نسق اس قدر الجھا ہوا تھا کہ

۱۔ مقدمہ رقعات عالمگیری نجیب۔ اشرف ص ۱۹۹

۲۔ صفحہ ۲۳۳۔ آرقعات عالمگیری۔ ص ۲۳۳

مرشد قلی خاں کے سوا کوئی دوسرا شخص اسکو زمینیں کر سکتا تھا۔ دکن میں ایک خرابی یہ تھی کہ یہاں مالگذاری کا کوئی نظم ہی نہ تھا۔ راضی کی پیمائش تھی نہ لگان کا تعین حکومت کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس ولایت میں کتنی زمین زیر کاشت ہے اور کس قدر خشک اور بخر اور جو زیر کاشت ہے اس کی زرخیزی کے مدارج کیا ہیں۔ اب لگان کس طرح وصول کیا جائے لگان اصل میں ہل کی تعداد سے لیا جاتا تھا۔ ہل کی تعداد سے زمین کی وسعت کا اندازہ ہوتا تھا کہ فراں زمیندار کے پاس اس قدر زمین ہے اور اس سے اس قدر لگان وصول ہونا چاہئے۔ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ کار تھا جو قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ اور حکومتیں آنکھ بند کر کے لگان وصول کر لیتی تھیں۔ ملک عنبر نے اپنے زمانے میں اس اندھیرے میں کچھ شمعیں روشن کی تھیں ملک عنبر دکن کا بہت بڑا ناخدا ہے سیاست گندا ہے جس نے ستر عویں صدی کے اوائل میں نظام شاہیوں کی ڈنگاتی ناؤ کو سہارا دیا تھا۔ اس کے بہت سے تمدنی کارنامے ہیں۔ منجملہ ان کے آرامی کی پیمائش اور لگان کا تعین بھی ہے۔ لیکن یہ کام صرف ہمارا مشترک مددور با اور یہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ^{۱۸۳۹} ۱۸۳۹ء میں ملک عنبر راہی عدم ہو گیا۔ اور اس کے جانشینوں میں وہ حوصلہ اور عزم کہاں تھا کہ اس کے ادمحور سے کام کو پورا کریں ہو کام ہوا تھا اس پر بھی پانی پھر گیا اب یہ مغل سربراہوں کا فرض تھا کہ اپنے حسن تدبیر سے اس کتنی کو سلجھاتے۔ مرشد قلی خاں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اصلاح حال کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

دکن میں مرشد قلی خاں کا کام اصل میں اصلاحات مالگذاری اور بندوبست ہے۔ انہوں نے جملہ پانچ سال کے اندر دکن میں وہ کام کیا جو ٹوڈرل نے عہد اکبری میں

شمالی ہند میں کیا تھا۔ اسی وجہ سے مرشد قلی خاں کو دکن کا ٹوڈرل کہتے ہیں۔ جب انہوں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا تو ان کے سامنے آراضی کی پیمائش و ریزی کی تشخیص اور لگان کا تعین جیسے کٹھن مسائل تھے، سچ پوچھو تو مالی اصلاحات جو ٹوڈرل نے شمال میں اور مرشد قلی خاں نے دکن میں انجام دیں، ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کا زینت و سرباہ ہے۔ تاریخ میں مہذب قومیں انہیں اصلاحات سے پہچانی جاتی ہیں کہ ان کا پایہ تہذیب کس قدر اونچا تھا۔ اگر یہ تہذیبی سرمایہ نہ ہو تو قوموں کی داستان خشک ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اس میں جنگ و جدل کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ آراضی کا بندوبست نہ ہو تو حکومتیں بے بس ہو کر رہ جاتیں گی اور ان کو خبر نہ ہوگی کہ ان کی عملداری میں کس قدر ز میں مزدور ہے اور کس قدر غیر مزدور اور زرخیز کیا حال ہے۔ بندوبست آراضی کا پہلا مرحلہ پیمائش ہے۔ یہ بڑا صبر آزما کام ہے کہ ہاتھ میں زنجیر لے کر میوں و آراضی نہتے چلے جائیں۔ یہ بات اہل دکن کو معلوم ہے کہ مرشد قلی خاں آراضی کی پیمائش میں کس قدر جاں نثانی کی تھی۔ انہوں نے اس کام میں دوسروں پر اعتماد نہیں کیا۔ بندہ خود اپنے ہاتھ میں زنجیر پکڑی اور سینڑوں میل زمینات کی پیمائش کی۔ ان کو ڈرتھا کہ دوسرے لوگ اس کام میں کوتاہی کر جائیں اور بددیانتی سے کام خراب کریں۔ جب یہ صبر آزما کام ختم ہوا تو یہ لحاظ زرخیز آراضی کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا۔ اور اس کے بعد لگان کا تعین پیش نظر ہوا۔ اس خصوص میں بھی مرشد علی خاں نے پوری دیانت داری کی چنانچہ پورا احتیاط و جانفشانی کے ساتھ ریزی کی جانچ پڑتال کی۔ تمام آراضی کو بذات خود دیکھا اور پیداوار کا اندازہ لگایا۔ اس طریقہ سے بہ لحاظ زرخیز

اور قوت پیداوار اراضی کی تین قسمیں قرار دی گئیں، یعنی چھٹی، بڑی و دریا وسط۔
 رہا لگان کا تعین تو وہ بھی کافی غور و خوض کا طالب تھا۔ وہ تین طریقہ سے عام کیا گیا، یک
 رستہ جو قدیم زمانے سے رائج تھا اس میں کاشتکار کو بلا لحاظ آبپاشی ایک معین رقم ادا
 کرنی پڑتی تھی۔ دوسرے پانی اس کی بھر تین قسمیں تھیں۔ جو کاشت برسات کے پانی سے
 ہوتی تھی تو اس میں پیداوار کا نصف سرکاری لگان قرار دیا گیا۔ اور جو کاشت کنوؤں کے
 پانی سے ہوتی تھی تو وہاں ایک تہائی لگان مقرر ہوا۔ لیکن جس ارضی میں پھول، پھل اور
 گنا وغیرہ ہوتا تھا وہاں زیادہ رعایت ملحوظ رکھی گئی۔ یعنی پیداوار کا صرف نواں حصہ لیا گیا
 کیونکہ اس کاشت میں کاشتکار کو زیادہ خرچہ کرنی پڑتی ہے اور اس کا خرچہ بھی زیادہ
 ہوتا ہے۔ اور جو کاشت نہر سے اور تالاب کے پانی سے ہوتی تھی تو وہاں لگان ایک تہائی
 اور جہاں پھل اور دال پیدا ہوتی تھی وہاں صرف ایک چوتھائی لگان مقرر ہوا۔ یہ ٹوڈرل کا نظام
 مانگڑی ہے جو ایک صدی پہلے شاہان میں رائج کیا گیا تھا اور اب مرشد قلی خاں کے ہاتھوں
 دکن کے چاروں صوبوں میں بھی رائج ہو گیا۔ مرشد قلی خاں نے جو لگان مقرر کیا تھا وہ برسوں
 تک دکن میں دہرا مرشد قلی خاں کے نام سے موسوم تھا۔ اور آج بھی لوگ اسکو یاد رکھتے ہیں۔
 خانی خاں کہتا ہے ”مرشد قلی خاں دیوان دکن درآں ملک تانقضاے روزگار از جملہ کارنامہاں
 وزرا یادگار خواہد ماند“ شاہنواز خاں لکھتا ہے کہ ”نامش بہ سبب این دستور العمل تانقضا
 اعوام مشہور بسیار بر صغیر روزگار خواہد ماند“۔

مرشد قلی خاں کا کام مالی اصلاحات پر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اس سے کہیں زیادہ ہے انکی
 اصلاحات کی تہ میں انسانی ہمدردی بھی چھپی ہوئی تھی۔ یہ صرف مذہب سیاست ہی نہ تھے بلکہ ایک
 درد مند انسان بھی تھے۔ وہ رعایا برائیاں کے آرام و آسائش اور نفع و بہبود کو اپنا فرض میں
 سمجھتے رہے۔ شکستہ دلوں کا مداوا انکا دلیفیہ حیات تھا۔ دیہات کے کاشتکار کو جو (بقیہ ص ۸۶)

اورنگ زیب الملک اور اسکے معاصر شاہ

ذیل میں مولانا عبدالحق صاحب دہلی نے لکھا ہے :

شاہ جہاں نے اپنے عہد میں دین و مذہب کی ترویج کر کے اپنی حکومت میں اسلامی نفاذ قائم کرنے کی کوشش کی جس کے تین عہدہ اولیٰ لیاقت شاہ جہاں کی موت کے بعد اور اس کی بنائی ہوئی دوسری مسجدیں بھی یہاں سے رہ گئے، اپنے زمانہ میں کوہی پوری مذہبی تعلیم دینے کی کوشش کی، دارالاشکوہ و مستبصر، اورنگ زیب اور مراد سب سے اپنے زمانہ کے جید علماء سے تعلیم پاتے رہے۔ ان میں اورنگ زیب نے معقولات و منقولات کی تعلیم میر محمد ہاشم گیدانی سے پائی، ۱۰۰۰ ایک کا درس ملازمین (ساکن بہار تریف) سے پائی، امام غزالی کی الشریک میں خصوصاً احیاء علوم مولانا سید محمد تنوچی سے پڑھی، عظیم پاک کی تفسیر ۷۰ برس ملا جوں سے لیتا رہا، ۱۰۰۰ جزئیات کو شیخ عبد القوی برکات پوری سے سمجھا، ملا شفیعانی دہلی سے بادشاہ

۱۔ بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری - ج ۱ ص ۱۶-۱۵ سے آثار الکرام ص ۴۳

۲۔ تذکرہ علماے ہند - ص ۸۳ -

۳۔ آثار الکرام - ص ۱۷-۳۱۶ -

۴۔ آثار الامراء - ج ۱ ص ۲۶-۲۵

زمانہ میں بھی خاص خاص کتابیں پڑھا رہا، اس کو دینی علوم سے ففری رغبت بھی تھی
 لائق اور فاضل اساتذہ کی نگرانی میں ان علوم سسکاس کا شغف اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔
 امام غزالی کی تصانیف، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات اور شیخ محی الدین
 سبزواری کے رسائل اس کے مطالعہ میں برابر رہیں۔ اس نے کلام پاک
 معفا کیا تو قرآنی علوم سے بھی اس کی دلچسپی بڑھی، اپنی بادشاہت کے زمانہ میں
 جب اس نے فتادی عالمگیری کا تہذیب کا نام شروع کرایا، تو اس کو شیخ نظام
 برہان پوری، ملا محمد جمیل جوہوری، قاضی محمد حسین جوہوری، ملا حامد جوہوری، شیخ
 وحید الدین گوپا سوری، شیخ رضی الدین بھاکپوری، قاضی سید عنایت اللہ منوگیری
 سید نظام الدین ٹٹھوی، ملا غلام محمد لہوری وغیرہ جیسے علماء اور فقہاء کی
 صحبت حاصل رہی۔ جس کی وجہ سے وہ اور بھی صحیح دین اور پابند شریعت ہوتا
 گیا۔ اس نے وہ شروع ہی سے ایسے مشائخ کا بھی قدرداں رہا، جو شریعت
 اور اسلامی شعائر کے پابند تھے۔

جب وہ دکن کا صوبہ دار تھا تو اس زمانہ میں حضرت عبداللطیف برہان پوری
 ایک مشہور بزرگ شریعت کے بڑے پابند تھے، نذر و سرود، غنا اور آکھ غنا
 دونوں کو ناپسند کرتے تھے، شادی بیاہ کے موقع پر کوئی جلوس ان کی خانقاہ
 کے سامنے سے گاتا بجاتا گزر نہیں سکتا تھا۔ دو سکر بزرگ ان کے متعلق کہتے
 ہیں کہ ہم کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ایسے متشرع اور حق پرست بزرگ ہم میں موجود
 ہیں اور نگ زیب ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ایک بار اس نے ان کی
 خدمت میں عرض کیا، کہ اگر اجازت ہو، تو خانقاہ کے مصارف کے لئے کچھ گاؤں

پیش کئے جائیں، لیکن انہوں نے یہ شعر پڑھ کر گاؤں لینے سے انکار کیا۔

شاہ مارادہ دہد منت بہر

رازیق مارزق بے منت دہر

اورنگ زیب اس شعر کو سن کر متاثر ہوا، لیکن اس نے عرض کیا، کہ ہم فقراء اور اہل اللہ کی خدمت خیرہ دینوی اور برکت خرومی کے لئے کرتے ہیں، گاؤں پیش کر کے احسان کرنا مقصود نہیں، حضرت عبداللطیف نے فرمایا کہ اگر خیر و برکت حاصل کرنا ہے، تو رعایا سے صرف نصف غنہ دہ بلکہ محنت کش اور مظلوموں کے پاس اور بھی زیادہ چھوڑ دو۔ گوشہ نشینوں متوکلوں کے لئے وظائف مقرر کرو مظلوموں کی داد کسی اس طرح کرو کہ ان کی حق تلفی نہ ہو، اور ظالموں کے ہاتھ کمزوروں کے لئے کوتاہ ہو جائیں وغیرہ، اورنگ زیب نے ان باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا، اور اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی جیسا کہ اس نے اپنے ایک رقعہ میں ذکر کیا ہے۔

اورنگ زیب کو ان کے آخر وقت تک ان سے عقیدت رہی منتخب الباب میں ہے۔

”غلام مکالم رادر خدمت ایشاں ارادت حسن عقیدت تمام بود، و بیچ ماہ دہشتہ نہ بود کہ فرمان تکلف آمیز بہ دستخط خاص بنام ایشاں صادر نشود۔“ (جلد دوم صفحہ ۱۳۶) شیخ عبداللطیف برہان پوری کے ایک خاص مرید ملا قصبہ اسٹان کے رہنے والے تھے۔ اورنگ زیب کی شہزادگی کے زمانہ میں برہان پور میں اس سے ملے اورنگ زیب

۱۔ قعات مالگیری شائع کردہ دارالمنصفین اعظم گڑھ نمبر ۲۲ و مقدمہ رقعات مالگیری ص ۱۳۶، منتخب الباب از قافی خاں حصہ دوم ص ۵۶ - ۵۵۵

رہے تھے کہ وہ مودبانہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کی کہ دادا نے شریعت کو
 نظر انداز کر رکھا ہے۔ اگرچہ حکومت ہی تو دین نبوی کے احکام کے ساتھ رعیت
 پروری بھی کروں گا۔ آپ باطنی توجہ فرمائیں۔ یہ سن کر شیخ برہان نے فوراً کہا کہ
 ہمارے جیسے کم اعتبار فقیروں کی دعائے کیا ہوتا ہے، تم بادشاہ ہونے کی، عدل
 پروری اور رعیت نوازی کی نیت کے ساتھ دعا کرو ہم بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے
 ہیں۔ اسی وقت مولف زبیب کے ساتھی شیخ نظام نے اس سے کہا کہ
 بادشاہی مبارک ہو۔

ادرجیب عامیہ تخت نشین ہوا تو اس کو اپنی شریعت نوازی کے سبب
 قدم قدم پر ابتلا و آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ہی میں داراشکوہ اور حضرت سرمد
 کے قتل و شہادت کے بھی واقعات ہیں۔ یہاں پر حضرت سرمد کے ساتھ دارا
 شکوہ کا نام اس لئے لیا گیا ہے کہ وہ شیخ وقت ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس کے مرشد
 ملا جیوا اپنے مریدوں کو اسی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور
 وہ ان سے کہتے تھے کہ تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو گے تو خدا سے پھر جاو گے
 (حسنت العارفین از داراشکوہ - ص ۲۷) اور وہ خود بھی اپنی تصنیف سکنیۃ الاولیاء
 میں لکھتا ہے کہ جہاں اور کوئی طالب ساہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں
 سے پہنچتا ہے میں بغیر ریاضت کے یکبارگی پہنچ گیا۔ اور جو میں چاہتا
 تھا وہ مجھے مل گیا پھر (ص ۵) اس کی زبان سے کچھ ایسے کلمات نکلنے لگے جنکو
 سن کر علماء آزرہ خاطر ہوئے لیکن وہ خود اپنی مدافعت میں حسنت العارفین
 کی تمہید میں لکھتا ہے کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج میں ایسا مقام بھی

آتا ہے جب ایک سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں بلکہ تہدید حیات العارفین از داراشکوہ، لیکن در اشکوہ کی اس تاویں سے علماء و فاضلین نہیں سمجھتے۔ پھر اس نے مجمع البحرین لکھ کر اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھار سے بنانے اور ان دونوں کو ملاسنے کی کوشش کی اور یہ بھی بتایا کہ، سدھی تصوف اور ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہیں۔ توحید کے شیدائی ان دونوں میں سے جس کی بھی تہدید کریں حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں علماء۔ خواہر نے داراشکوہ کے ان خیالات کو مطلق پسند نہیں کیا۔ اور جب اس نے اپنشد کا مطالعہ کیا تو اس کی تہدید میں اس کا بیان ہے کہ اس کو علم توحید، توریت و انجیل اور زبور کے مطالعہ سے حاصل نہ ہو سکا۔ کیوں کہ ان میں توحید کا بیان محض ہے وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس کی تسلی قرآن پاک سے بھی نہ ہو سکی کیوں کہ اس کی اکثر باتیں رمزی ہیں آخر اس کو توحید کی تمام باتیں اپنشد میں مل گئیں، جس کے چاس بوب کا ترجمہ اس نے سنسکرت سے فارسی میں کر کے عام کیا۔ وہ رفتہ رفتہ توحید و جود کی قائل ہو کر، بھگوت گیتا، بھشٹ اور رام چند جی کا بھی معترف ہو گیا اور دیر و حرم کی تفریق مٹانی چاہی۔ جو خام ہے کہ اسلام کے راسخ العقیدہ علماء، فقہاء اور صوفیہ کو پسند نہ آیا۔ عالمگیر نے جب دھرمات اور سموگندھ کے محاذ پر داراشکوہ کی سیاسی قسمت کا فیصلہ کر دیا تو پھر اس کو شریعت کے محاذ پر لا کر اپنی راہ کے کانٹے کو دور کرنے میں کی دیر لگ سکتی تھی خصوصاً جب راسخ العقیدہ علماء، فقہاء اور صوفیہ دارا کو مرتد اور لمحد سمجھتے تھے، وہ ارکان دین اور شریعت کے فتوے سے یہ تیغ کیا گیا۔ آج کل کے مورخین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اس کی رواداری اور کسب الشریعہ سے متاثر ہے

اور یہ کہتا ہے کہ اگر داراشکوہ تخت نشین ہوتا تو مسلمانوں کی حکومت برابر قائم رہتی۔ لیکن اوزنگ زیب کے حامی یہ کہتے ہیں کہ داراشکوہ کے تخت نشین ہونے سے مسلمانوں کی حکومت تو باقی رہتی لیکن اسلام باقی نہ رہتا۔ اوزنگ زیب کی تخت نشینی سے اس کے بعد مسلمانوں کی حکومت تو کچھ دنوں کے بعد باقی نہیں رہی، لیکن اسلام باقی رہا۔

حضرت سرمد کا معاملہ داراشکوہ سے کچھ مختلف تھا وہ بھی داراشکوہ کی طرح ایسی ہی توحید و جود کی قائل تھے جس کو علماء اور شریعت نواز صوفیہ پسند نہ کرتے تھے اسی لئے وہ داراشکوہ کے حامی تھے۔ اور انہوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ شاہ جہاں کے بعد وہی بادشاہ ہوگا۔ لیکن جب وہ پاپا ہو کر قتل کر دیا گیا تو عالمگیر نے سرمد دریافت کیا کہ انہوں نے داراشکوہ کو بادشاہت کی جو خوش خبری دی تھی وہ کیسے پوری نہ ہو سکی سرمد نے جواب دیا کہ وہ مژدہ صحیح نکلا۔ کیونکہ دارا کو ابدی سلطنت کی خوشی نصیب ہوئی ہے ظاہر ہے کہ یہ تاویل اوزنگ زیب کو ناگوار گذری ہوگی۔ لیکن ان پر اور طرح طرح کے الزامات تھے۔ ان کی حسب ذیل رباعی کی شہرت ہوئی۔

آنکو کہ سر حقیقتش باورش

خود پہن ترا ز سپہر ہنار شد

لا گوید کہ ہر شد احمد بہ فلک

سرمد گوید فلک با احمد ور شد

تو ن پر یہ الزام رکھ گیا کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ وہ برہنہ رہا کرتے تھے۔ حکومت کے قاضی عبدالقوی نے ان کے باز پرس کی تو انہوں نے جواب دیا کہ شیطان قوی است

۱۔ تذکرہ حسینی و ریاض الشراذقی۔ ۲۔ مرآۃ الجنال ۶ ص ۱۱۶ ۳۔ ریاض الحارثین

اس کو قاضی عبدالقوی اپنے اوپر طنز سمجھے اور انہوں نے ان پر عریانی کا جرم قایم کر کے عالمگیر کو ان کے قتل کا مستورہ دیا۔ لیکن، لکیرنے اسے یہ کہہ کر رد کیا کہ صرف عریانی وجہ قتل نہیں ہو سکتی ہے۔ ان کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ کلمہ کا صرف ایک جزو یعنی لا الہ پڑھتے ہیں اس امتحان کے لئے شاہی دربار میں علماء کا اجتماع ہوا جس میں حضرت سرمد بھی طلب کئے گئے۔ ان سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے جب عادت صرف ایک جزو یعنی لا الہ پڑھا۔ علماء نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں مرتبہ اثبات پر نہیں پہنچا ہوں تو پھر جھوٹ کیسے کہوں علماء نے کہا ایسا کہنا کفر ہے۔ اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو صاحب القتل ہے اور ان کے قتل کا فتویٰ صادر ہو گیا۔ حضرت سرمد کی قبر اب بھی مرجع خواص و عوام ہے اور انہوں نے محبت الہی، دیدار الہی اور دیدار نبوی پر جو باعیاں کہی ہیں وہ آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں، لیکن ترک شریعت کی وجہ سے وہ قانون شریعت کی زد میں آ گئے۔ قانون صرف دار دیگر کرتا ہے۔ رواداری یا پاسداری کو راہ نہیں دیتا کیونکہ اس ہر قسم کی پراگندگی اور انتشار پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

داراشکوہ اور حضرت سرمد کے قتل و شہادت میں مورخین سیاسی مصالح بھی شامل کرتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں توحید و جود کی کی جو دشکانیا ہوئیں ان سے طرح طرح کے فتنے اُٹھنے لگے جن کی آڑ میں شرعی احکام سے بدھنت اور اغماز کیا جانے لگا۔ شریعت کو حقیقت کا چھلکا بنا دیا گیا۔ انا الحق کا لہرہ بند ہوئے لگا۔ حسینوں کی صحبت سے رسائی حق کی راہ تلاش کی جانے لگی۔ سادہ رخنوں میں اللہ ہی کا رنگ دیکھا جانے لگا۔ حسینوں کے غمزوں اور عشودوں کے ذریعہ مجازی

عشق سے حقیقی عشق تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا جائے گا۔ راسخ العقیدہ مہم فیہ ان تمام باتوں کو بدعت، گمراہی اور ضلالت قرار دیتے، وہ صرف اللہ کہنے والے کو مسلمان سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے جب تک وہ محمد رسول اللہ کے بھی تعالیٰ نہ ہوتے۔ وہ توحید اور رسالت دونوں پر یقین کامل رکھنے ہی میں عقیدہ اور ایمان کی سلامتی سمجھتے۔ اور کہتے کہ صوری، اور معنوی، خلاق کی درستی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت نہ ہو۔ اس متابعت کے ذریعہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قربت حاصل ہونا ممکن ہے۔ وہ انا الحق کہنے والوں کو مرتد اور بے دین سمجھتے۔ اسی لئے ان کے خلاف ہنگامہ کرتے، اور سلاطین وقت سے مل کر انہیں قتل کرا دیتے۔

توحید کے اس قسم کے پرستاروں کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو آواز اٹھائی تھی وہ براہِ گوئی رہی۔ اور خود ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمود سرہندیؒ ان کے علوم و معارف کے بہت بڑے شارح تھے۔ بلکہ ان کے نقش قدم پر چل کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کر کے مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی تجدید اور اصلاح میں لگے تھے۔ ان کی تعلیم تھی کہ سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب کرنا ہر حال میں دامنِ متابعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قائم رکھنا اور آثارِ صحابہ پر چلنا ضروری ہے۔ اور اپنے تمام مریدوں اور متوسلوں کے نام کے خطوط میں اسی کی تربیت دیتے رہے۔ مثلاً ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”سے جانی! نا جنس اور مخالف طریق کی صحبت سے بچتے رہنا اور عیسائی مجلس سے گریزان رہنا۔ یہی سعادتِ رازی قدمِ سرور کا مقولہ ہے کہ ان تین اصناف سے اجتناب کرو۔

(۱) علماء غافلین۔ (۲) قرآن سے براہین۔

(۳) متصوفہ جاہلین - خوش شخص شیخت کی گڑی پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کا عمل موافق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اور نہ وہ خود زیور شریعت سے آراستہ ہے۔ خبردار! خبردار! اس سے دور رہنا۔ بلکہ احتیاطاً اس شہر میں بھی نہ رہنا۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا ہے کامیابی کے تمام راستے بند ہیں، سوائے اس شخص کے راستے کے جو آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم کی پیروی کرے.... آداب نبوی کا خیال نہ رکھنے والوں اور سنن مصطفوی کے چھوڑنے والے کو ہرگز ہرگز عارف خیال نہ کرنا اس کے ظاہری تبتل، انقطاع، خورق عادات، زہد و توکل اور زبانی معارف و حیدی پر فرقیہ و شیعہ نہ ہو جانا..... اربکار اتباع شریعت پر ہے اور محالہ نجات پیروی نقش قدم رسولؐ سے مربوط ہے۔ محقق و مبطل میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز اتباع پیغمبر ہی ہے۔ زہد و توکل اور تبتل بغیر اتباع رسولؐ کے نامکمل ہیں۔ اذکار و افکار اشواق و اذواق بے توسل سرکارِ دو عالم غیر مفید ہیں۔

..... حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا جس نے آداب سے سُستی برتی وہ سنن سے محروم ہو گیا، جس نے سنن سے غفلت اختیار کی وہ قرآن سے محروم ہوا اور جس نے قرآن سے ہٹادیا وہ معرفت سے محروم

ہو گیا شیخ ابوسعید ابوالخیر سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص
 پانی پر چلتا ہے۔ انہوں نے فرمایا، ہاں گھاس کا تنکا بھی
 پانی پر چلتا ہے۔ پھر کہا گیا فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے،
 فرمایا جیل اور کوٹا بھی ہوا میں اڑتے ہیں، پھر کہا فلاں
 آدمی ایک لمحہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا
 ہے، فرمایا شیطان تو ایک دم میں مشرق سے مغرب
 تک چلا جاتا ہے۔ ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں۔ مرد حق
 دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست
 رکھے، بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لمحہ خدا سے مائل
 نہ رہے، شیخ علی بن ابی بکر قدس سرہ نے صحاح الہدایہ
 میں فرمایا ہے کہ ہر انسان کا حسن و نماں امام اور میں ظاہراً
 و باطناً و اصولاً و فروعاً، عقلاً و فِعلاً عَادۃً و عِبَادۃً
 کامل اتباع رسول میں مقرر ہے۔

(مکتوبات خواجہ معصوم سرسندی ص ۶۲-۶۳)

اورنگ زیب کا فہری اور ذہنی رجحان ان ہی تعلیمات کی طرف تھا اس لئے وہ
 حضرت خواجہ معصوم سرسندیؒ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گیا تیموری خاندان جہانگیر
 ہی کے زمانے سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے متاثر تھا جہانگیر پہلے تو
 حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مخالف رہا۔ لیکن پھر ان سے اس کی عقیدت اتنی بڑھی کہ اپنے کو
 زیادہ تر ان ہی کی بیعت میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اور شہزادہ خرم کو ان کے حلقہ ارادت

میں داخل کر دیا تھا۔ عالمگیر نے خواجہ معصوم سے بیعت کر کے نہ صرف اپنی خاندانی روایت کو برقرار رکھا بلکہ ان سے تعلیم پا کر اپنی ایمانی اور روحانی بصیرت میں جلا بھی پائی اور حضرت خواجہ معصوم کو بھی تخت و تاج کے ایک مالک کی ذات میں وہ تمام باتیں ملتی گئیں جن سے ان کو دین و مذہب کے احکام کی اسلامی تبلیغ میں ہر طرح کی مدد ملتی رہی اسی لئے وہ عالمگیرؒ کی اور روحانی تلقین و تربیت میں برابر مشغول رہے۔

ایک بار ایک مکتوب میں حضرت خواجہ معصوم نے عالمگیر کو یہ حدیث لکھ بھیجی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی۔ فرمایا تجھ پر افسوس تو نے قیامت کی تیاری کیا کی ہے (جو قیامت کو دریافت کر رہا ہے) اس نے عرض کیا میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی ہے مگر اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا تو قیامت میں تو اس کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے صحابہ کرام کو اتنی مسرت ہوئی کہ میں نے اسلام کے علاوہ کسی چیز سے اتنی مسرت نہیں دیکھی۔ یہ حدیث لکھ کر جب خواجہ معصوم، عالمگیر کو تعلیم دے رہے تھے جو عالمگیر میں پہلے سے موجود تھی اس میں اور جلا پیدا ہوئی۔ حضرت خواجہ معصوم کا یہ خط عالمگیر کے کسی خط کے جواب میں تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر نے اپنی بعض روحانی کیفیات کا بھی اظہار کیا تھا۔ اور اس کا مداوا چاہا تھا۔ شاید عالمگیر پر گریہ دل طاری رہتا تھا اس کے جواب میں حضرت خواجہ معصوم لکھتے ہیں۔

اس مکتوب سے راہ طریقت کا شوق ظاہر ہوتا ہے اسی لئے

مقصد کے حاصل ہونے کی امید ہے۔ ایک درویش نے
 لکھا ہے کہ ”اگر خواستے داد ندادے خواست“ یعنی اگر
 اللہ تعالیٰ کچھ دینا نہ چاہتا تو طلب کا ماذہ ہی پیدا نہ کرتا،
 صوفیہ کا یہ مقولہ ہے کہ جب قلب گم شدگی سے رہتا ہے
 تو روح یافت پر خوش ہوتی ہے۔ اس مقولہ کی رو سے
 گریہ دل کو جو کہ از راہ طلب و شوق پیدا ہوا ہے یافت
 روح پر دہل قرار دیا گیا ہے۔ یعنی گریہ دل ہی سے روحانی
 کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

اور پھر اس کی وضاحت صوفیانہ اور عارفانہ انداز میں اس طرح کی ہے۔

الطائف خمسہ عالم امرا پس میں پڑسیوں کا حکم رکھتے
 ہیں۔ ان میں بعض لطائف ایک دوسرے سے زیادہ لطیف
 ہیں، اور جو بھی لطیف تر ہے عالم غیب سے نزدیک
 تر ہے۔ اور حضرت داب سے فیوض حاصل کرنے میں
 آگے بڑھا ہوا ہے۔ جب کبھی ان لطائف میں سے کسی لطیفہ
 پر کوئی علیہ وارد ہوتا ہے تو دوسرا لطیفہ جو اس قریب ہے
 خبردار ہو جاتا ہے اور اس دوست پر رشک کرتا ہے اسکی
 طلب میں کوشش کرتا ہے۔ اور اس کو گریہ شوق دامنگیر
 ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی لطیفہ پر وارد غیبی نمودار نہیں ہوتا
 ہے تو تمام لطائف ناظر رہتے ہیں اور راہ طلب بند
 ہو جاتی ہے۔ پس گریہ قلب دلیل ہے اس امر کی کہ رنہ کو
 کچھ مل گیا۔ اس لئے کہ قلب و روح کو آپس میں نسبت

ہمسائی اور اتصال حاصل ہے، ایک کی یافت سے دوسرا
واقف ہے۔ اس دولت کے نہ پالنے سے نالاں اور اس کی
طلب میں دواں ہے۔

اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معصوم نے اپنا ایک صاحبزادے
شیخ سیف الدین کو عالمگیر کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کے لئے اس کے
پاس بھیج دیا تھا۔ شیخ سیف الدین کو اپنے والد بزرگوار ہی کی طرح کالات صوری و
معنوی حاصل ہو گئے تھے۔ عالمگیر ان کو بہت محبوب اور قریب رکھنے لگا تھا اور جب
اس نے ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا حال حضرت خواجہ معصوم کو لکھ بھیجا تو وہ مذکورہ بالا مکتوب
میں تحریر فرماتے ہیں۔

”الحمد للہ والمنہ کہ فقیر زادہ (شیخ سیف الدین)
منظور نظر قبول ہو گیا ہے اور اس کی صحبت موثر ثابت
ہوئی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو کہ فقیر زادے کا
شیوہ ہے اس پر آپ نے اظہار تشکر و رضامندی کیا ہے
اس اظہار تشکر پر شکر خداوندی بجالایا اور اس سے میری
دعا گوئی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ کیا عجب نعمت ہے کہ اس
طسراق بادشاہت اور دبدبہ سلطنت کے ہوتے کلمہ
حق سمع قبول میں آئے۔ اور ایک نامراد کا قول موثر
ثابت ہو۔“

اور آخر میں ایک کلام پاک کی آیت لکھ کر اپنے مکتوب کو ختم کرتے ہیں جس
کے یہ معنی ہیں کہ مژدہ دیجئے میرے ان بندوں کو جو بات کو سنتے ہیں اور نیکو
ترین بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے

اور یہ لوگ صاحبان عقل و خرد ہیں۔ ان کتابات خواجہ محمد معصوم سرسندی مرتبہ
مولانا نسیم احمد امروہوی۔ ص ۸۳ - ۲۸۱ -

ایک دوسرے مکتوب میں عالم گیر کو پہلے محبت الہی کی طرف توجہ دلاتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل یعنی بے حقیقت اور فانی ہے
پھر لکھتے ہیں کہ ایک باطل ہے جو حق ناما ہے اور ایک عدم ہے جو وجود آسا ہے،
ہر چیز کی ذات عدم ہے اور عدم ہر شر و نقص کا مادی و لمبا ہے۔ کسی چیز میں
صفات کمال کا پایا جانا مرتبہ و جوب سے مستعار ہے۔ پس خیر و کمال کا مرجع
خداوند تعالیٰ کی ذات اقدس ہے جو واجب ہے۔ اور شر و نقص تمام تر ممکن کی
طرف راجع ہیں اسی لئے کلام پاک میں کہا گیا ہے کہ جو بھی بھلائی کسی کو پہونچتی
ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی بُرائی کسی کو پہونچتی ہے وہ خود
اس کی ذات سے ہوتی ہے۔ اور جو کوئی اپنی نادانی سے اپنی ذات کو فراموش
کر دیتا ہے اور اپنے عارضی کمالات کو کامل خیال کر کے اپنے کو مبد و حیات
سمجھتا ہے وہ گویا مولائے حقیقی سے ہمسری کا دعویٰ کرتا ہے اور اس میں عونت
اور انانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جو کوئی اپنے صفات کمال کو حق تعالیٰ کے
کمالات کا پر تو سمجھتا ہے اور ان عارضی کمالات کو بالکلیہ اصل کے حوالے کرتا
ہے اور اپنے آپ کو جو کہ آئینہ کلام ربانی ہے محض خالی سمجھتا ہے اور معدوم
محض دیکھتا ہے تب وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہوتا ہے درانانیت امارہ سے
چٹسکارا پاتا ہے، پھر نفس امارہ تدریجاً نفس مطمئنہ بنتا ہے اسی وقت نعمت حق اس
کے حق میں کامل ہوتی ہے۔

۹-۲

۹۱

یہ گویا عالم گیر کو نصیحت تھی کہ کسی حال میں بھی وہ اپنے میں انانیت نہ پیدا
ہونے دے۔ عالم گیر نے حضرت خواجہ معصوم سے بارگراں بار جہان داری اور

اپنے حسن خاتمہ کے لئے بھی دعا کرنے کی درخواست کی تھی۔ جس پر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اس کے لئے پوری ہمت کے ساتھ برابر دعائیں کرتے رہتے ہیں اور پھر اس کو یہ لکھ کر اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ۔

”چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے آپ کو اس بارے میں خوف عنایت فرمایا ہے اس لئے بہت کچھ امیدیں ہیں یہ خوف کار ہائے مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے خوف دنیا اور خوف آخرت کسی شخص واحد کے اندر جمع نہیں ہوتے۔ یعنی اگر کسی کے اندر خوف آخرت ہوگا تو خوف دنیا سے محفوظ رہے گا۔“

عالمگیر نے حضرت خواجہ معصوم کے صاحبزادے شیخ سیف الدین کی پھر تعریف لکھی تھی اس پر حضرت خواجہ معصوم پھر تحریر کرتے ہیں۔

”فقیر زادے کی ادائیگی خدمات اور لوازم خیر خواہی آپ کی نظر میں پسندیدہ ہیں، یہ بات اس کے لئے موجب سعادت و باعث امتیاز ہوئی فقیر زادہ جو کہ صاحب کالات صوری و معنوی ہے عزت و عدم اختلاط کی عادت رکھتا تھا۔ چند آدمیوں میں بیٹھنے کی بھی اس کو عادت نہ تھی لیکن محض خیر خواہی نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ آپ کے پاس گیا ہے۔“

پھر اپنے صاحبزادے کے توسل کو محض غایات ربانی کا ایک سبب بتاتے ہیں اس لئے اور نگ زیب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں۔

”مرتب جنتی اللہ تعالیٰ ہے وہ خود درود طلب دیتا

ہے اور اپنی طلب میں دوڑاتا ہے۔ خود راہ وصل

کھوتا ہے۔ ۹ ع

ازاد شہانہ پر ساختہ اند

اسی مکتوب میں عالمگیر کے خط کی تحویر کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے ایک عربی شعر بھی لکھتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ہر لفظ میں آرزوں کا ایک باغ مضمر ہے۔ اور ہر سطر میں مونیوں کا ایک ہار پنہاں ہے۔

فنی کل لفظ منہ روض من المنی

و فی کل سطر منہ عقد من الدرا

ایک اور مکتوب میں عالمگیر کے خط کے قلم کو غبرس کہہ کر نوازا ہے۔ (مکتوبات حضرت

محمد معصوم سرسندی۔ ص ۸۶ - ۲۸۳ - ۲۸۲ - ۱)

حضرت خجندیہ کے صاحبزادے شیخ سیف الدین بھی عالمگیر کی باطنی کیفیات سے اپنے والد ماجد کو براہِ مطلع کرتے رہتے ایک بار عالمگیر کے "اثرات ذکر در لطائف قلبیہ" خطرات قبول کلمہ حق، رفع بعض منکرات اور ظہور لوازم طلب کے متعلق لکھ بھیجا تو حضرت خواجہ نے شکر خدا ادا کیا کیونکہ اس قسم کی باتیں سلاطین میں نہیں پائی جاتیں۔ اور پھر یہ حدیث لکھی کہ جو سنت کو مردہ ہونے کی صورت میں کرتا ہے کرتا ہے اس کو تلو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ یہ گو یا اپنی طرف سے عالمگیر کو تلو شہیدوں کے ثواب کی بشارت دے رہے تھے۔ اور آخر میں دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں (مکتوبات حضرت محمد معصوم سرسندی۔ ص ۸۱ - ۲۸۰)

بادشاہ کی ظاہری و باطنی صلاحیت کا خواستگار

ہوں۔ ان کے باطن کو نسبت اکابر سے معمور پاتا ہوں۔

اور اُمیدوار ہوں کہ جلد ہی فائے قلب کی دولت سے
مشرّف ہو جائیں گے، یہ فائے قلب درجات ولایت
میں درجہ اولیٰ ہے۔ ع

برکریاں کار ہا و شوارنسیت

شیخ سیف الدین نے ایک دستِ مکتوب میں اپنے والد ماجد کو عالمگیری کی نجی
جلسوں کی خبر دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجالس سلطانی میں عجیب اسرار جلوہ گر ہوتے
ہیں۔ جوں ہی ان کی محفلوں میں داخل ہوتا ہے "عروج و نزول" کی کیفیات
کے ساتھ ممتاز کر دیا جاتا ہے۔ اس کو پڑھ کر حضرت خواجہ معصوم نے
تحریر فرمایا۔

"ٹھیک ہے، ہل کمال ہر قطعہ زمین پر وہ فیوض و
اسرار جو ان کے مناسب حال میں مشاہدہ کرتے ہیں۔
اور ہر زمین سے اس زمین کے مناسب حال میں کو حال
کرتے ہیں۔ کسی زمین کو مساعلات فنا کے ساتھ مناسب
ہوتی ہے۔ کسی کو کمالات بقا کے ساتھ موافقت ہوتی
ہے۔ کسی قطعہ کو عروج سے مناسبت ہے اور کسی کو
نزول سے حرم مکہ کے کمالات و مساعلات جدا ہیں حرم مدینہ
کے فیوض و کاروبار جدا۔ ع

ہر خوش پیرے را حرکات دگرست

اسی مکتوب میں حضرت خواجہ لکھتے ہیں۔

تم نے بادشاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا
تھا کہ ان کے اندر وسعت لطیفہ اخلاقی اور اس کے مناسبت

نامہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس بات کے مطالعہ سے خوشی ہوئی
 لطیفہ اخفی سب سے بڑا لطیفہ ہے، اور اس کی دلالت
 سب ولایات سے اونچی ہے۔ اس لطیفہ کے خاص سرور
 کائنات کے ساتھ خصوصیت ہے۔ ہے۔ فقیر بھی بادشاہ
 کے اندر لطیفہ اخفا کی مناسبت پاتا ہے۔ "الغیب
 عند اللہ" مکتوبات حضرت محمد مصوم سرہندی

ص - ۸۹ - ۲۸۸ -

ظاہر ہے کہ یہ خطوط بہت ہی نجی ہیں جن کو لکھتے وقت کبھی کاتب کو خیال نہ آیا ہوگا
 کہ یہ طبع ہو کر عام لوگوں ہاتھ میں بھی پہنچیں گے اس لئے ان میں مصلحت یا ذاتی
 منفعت کی جھلک نہیں پائی جاتی ہے۔ ان خطوط کو پڑھ کر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ
 مالگیر شریعت کی پابندی کر کے راہ سلوک کی بہت سی اعلیٰ منزلیں بھی طے کرنے
 میں لگا ہوا تھا۔ اس لئے وہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں کسی ایسے صوفی کی طرف
 مائل نہ ہوا۔ جو احوال و مواجید اور "کشف و ابہامات" کے قائل تھے۔ اور
 بدعتوں میں مبتلا ہو کر ترک امر معروف کرتے اور سنت کے مطیع نہ ہوتے، بلکہ جو
 صوفیہ کرام شریعت کے پابند ہوتے ان کی ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار رہتا۔ ان
 کے پاس بے تکلف جاتا ان کی نصیحتیں سنتا بلکہ ان کی جھڑکیاں بھی برداشت کرتا۔
 برہان پور کے ایک بزرگ شیخ نصیر الدین ہر دی تھے وہ اپنی جوانی میں دودھ
 پاؤں اور یائیں ہاتھ سے مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن ایک ہاتھ سے کلام اللہ اور نصیہ کی کتابت
 کر کے بوذی پیدا کرتے تھے۔ کوئی تدریجی نیاز پیش کرتا تو قبول نہ کرتے دوست مند
 اور شاہی عہدہ داروں سے ملنا پسند نہ کرتے، برابر تلاوت کلام پاک میں لگے رہتے
 تلاوت کرتے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ مالگیر کو ان کے قول،

استفادہ، صلاح، تقویٰ اور فضیلت کی خبر لی تو برہان پور کے مدرسہ کے ذریعہ سے کوئی جاگیر دے کر ان کی مدد کرنی چاہی لیکن انہوں نے جائیداد لینے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میری طرح لاکھوں اور کروڑوں محتاجوں کو جو رزق دیتا ہے وہی مجھ کو بھی رزق دے گا۔ منتخب الباب جلد دوم ص ۵۵۸

سورت کے ایک بزرگ سید سعد اللہ تھے جو شیخ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے عقلی و نقلی علوم اور سلوک کی تعلیم پا کر مکہ منظرہ چلے گئے۔ جہاں شریف مکہ نے ان کو بڑے اعزاز و اکرام سے رکھا۔ وہ شریف مکہ سے لوگوں کی سفارش برابر کرتے رہتے۔ شریف مکہ نے ایک دو سفارش کو انکی نظر انداز کر دیا تو وہاں سے بد دل ہو کر سورت چلے آئے۔ عالمگیر کو ان کے فضل و کمال کا حال معلوم ہوا تو اس نے ان کی خانقاہ کے لئے ایک مکان اور ان کے اخراجات کے لئے دو گاؤں وقف کر دیئے ہندوستان دونوں ان کے یہاں آتے اور مستفیض ہو کر جاتے اور دونوں ان کو پیشوا سمجھتے، وہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لئے ہر خاص و عام کی سفارش عالمگیر سے کیا کرتے تھے۔ عالمگیر بھی ان کو دست خاص سے خط لکھا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ان کو لکھا کہ وہ درویشوں، عالموں اور دینداروں کے لئے سفارش کیا کریں مگر انہوں نے بادشاہ کی بات نہ مانی، دوبار انہوں نے عالمگیر کو لکھ بھیجا کہ وہ ائمہ اثنا عشری سے محبت کرنا اپنا فرض سمجھتے عالمگیر نے بعض فضلا سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، صحیح ہے۔ ایک بار سید سعد اللہ نے ایک ہندو کو خط لکھا تو القاب کے بجائے یہ شعر لکھا۔

بتام آں کہ اُدنامے ندارد

بہر تاشش کہ خوانی سر بر آرد

اس پر علماء نے اعتراض کیا، لیکن سید سعد اللہ نے یہ جواب دے کر ان کو

خاموش کیا کہ ہم ذات پاک واجب الوجود کے بغیر تمام ممکن الوجود کو معدوم
جاتے ہیں۔

”ابدون ذات پاک واجب الوجود ہم ممکن الوجود
را معدوم الوجود می دانیم“ منتخب الباب جلد

دوم - ص ۵۹۱

ایک دوسرے بزرگ میر مرتضیٰ ملتانی بھی تھے شریعت کی پابندی کا بہت لحاظ
رکھتے جہاں مجلس سماع ہوتی وہاں نہ جاتے اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے سے
منع کرنے میں محکمہ میں رہتے وہاں سرود و نغمہ کی آواز بلند کرنے کی کسی کی ہمت
نہ ہوتی شاہی حاکموں کے یہاں کھانا نہ کھاتے اگر کوئی ان کے پاس آتا اور کہتا کہ
مرید ہونے آیا ہوں تو وہ فرماتے یہ نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ توبہ و استغفار کرنے آیا ہوں
اور آئندہ کوئی بات یا کام شرع کے خلاف نہ کروں گا۔ پھر طرح طرح کے
سوال کرتے اور وہ جواب دیتا کہ ہر حال میں خدا کا حکم بجالاؤں گا تو پھر اپنے
حلقہ ارادت میں لیتے۔ اس طرح ملتان اور لاہور سے دکن تک ہزاروں مریدان
کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ کسی سے نذرانہ نہ لیتے جب تک کہ ان کو یقین نہ ہو جاتا کہ
نذرانہ دینے والے کی کوئی حرام کی نہیں ہے۔ وہ اپنی بیوی کا نفقہ اور فرزندوں کے حقوق
ادا کرتا ہے۔ نذرانہ لے کر اس کے ایک خسر سے تجارت کرتے، روزے برابر رکھتے،
شب بیداری کرتے، تلاوت کلام میں شغولی رہتے، اور جب وعظ کہتے تو ظلم
حکام، ریاکار علما اور حکام کے معاصی و نغراء کی بڑی مذمت کرتے۔ اور ایسے
حکام کو برا کہتے جو خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے۔ سرود و نغمہ
سننے اور بزرگوں کے مزار پر رقص و سماع کی محفل کراتے ایسے بدعتی عوام کے خلاف
وعظ کہتے۔ جو شب برات عاشورہ اور عیدین میں خلاف شرع باتیں کرتے رہتے، بیت

نام پر کھانے پکوانے کر کے اور ان کے نام سے فاتحہ دیتے، تمباکو کو حرام بتا کر اس کے پینے کی سخت مخالفت کرتے۔ ان کی اس شدت پسندی سے حکام، علماء، اور مشائخ کو بھی ان سے عداوت ہو گئی تھی۔ اور تک آباد کے قاضی القضاۃ قاضی اکرم ان کے بڑے مخالف ہو گئے تھے۔ اور ایک بار انہوں نے کنگ سناظرہ کیا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ عالمگیر بونا کے قلعہ کی تسخیر کے لئے وہاں پہونچا تو میر مرتضیٰ اس سے ملنے گئے اور اس کو اپنی ایک کتاب دی جس کا نام حق گو تھا۔ عالمگیر نے اس کے دو تین ورق پڑھ کر کتاب کو زانو پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کہا الحمد للہ ثم الحمد للہ ہمارے زمانے میں ایسے حق گو بھی ہیں اور پھر شہزادہ کام بخش کو کہا کہ سید صاحب کو اپنے گھر میں ٹھہراؤ۔ اور وہ جو کچھ فرمائیں اس کو سن کر عمل میں لاؤ۔ عالمگیر نے ان کے لئے کچھ ذرا چوبیس بھی مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا کچھ دنوں کے بعد عالمگیر نے ان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ایک ایسا شہر دے دوں جو آپ کے اعتبار کے مطابق ہو جائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر خواص کے اعتبار کے لئے مقرر کریں تو میں راضی ہوں، عوام تو میرے گردیدہ پہلے سے ہی ہیں۔ عالم گیر نے کہا کہ خامی و عام کے معنی نہ سمجھ سکا اس وقت قاضی اکرم بھی موجود تھے کہ سید صاحب کا مطلب بزرگوں کے مقبروں سے ہے۔ وہ اپنے موعظ میں کہتے ہیں کہ جن بزرگوں کی قبروں پر طنز و دہل اور دوسرے ساز بجا ہے جاتے ہیں ان کی بیڑیوں کو اٹھ کر جلا دینا چاہئے۔ عالمگیر نے یہ سن کر کہا کہ میں اس حد تک جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میر مرتضیٰ نے انکار کیا کہ وہ ایسا نہیں کہتے لیکن ان کی بات اس وقت تک نہ بنی اور گو عالمگیر ان کی عزت کرتا رہا۔ لیکن انہوں نے بادشاہ کے یہاں آنا جاننا کم کر دیا۔ اور جب عالمگیر ان کو بلاتا تب ہی وہ اس کے پاس جاتے۔ پھر وہ علماء اور مشائخ کی مخالفت کے خیال سے

بیربان پور منتقل ہو گئے۔ (منتخب الباب جلد دوم ص ۵۶۵ - ۵۶۱)

شاہجہاں آباد کے نزدیک ایک بزرگ شیخ یازید تھے، جن کے ہندو مسلمان دونوں معتقد تھے وہ محتاجوں کی خبر گیری کرتے اور حکام سے ان کی سفارش کرنے میں سہل و سہو نہ کرتے۔ ایک بار دہلی کی جامع مسجد میں وعظ کہنا شروع کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کی شادی ضرور کی۔ پھر عالمگیر کو مخاطب کر کے کہا کہ اس کی لڑکیوں میں بعض ناکتہا ہیں ہیں۔ عالمگیر نے ان کے وعظ کو بہت خاموشی سے سنا۔ (منتخب الباب جلد دوم ص ۵۵۰)

عالمگیری عہد میں ملا قطب الدین شہید سہالوی بھی بڑے برگزیدہ بزرگ تھے، عالمگیر نے ان سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر بار بار صاحب نے اس سے ملنے سے انکار کیا۔ ان کی اس بے رغبتی سے وہ بھی دلگیر نہ ہوا۔ (فرحت المآثرین ص ۸۰)

شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم اپنے علم و فضل، عبادت، ریاضت، زہد، تقویٰ اور توسع کے لحاظ سے مایہ ناز علما میں سے گذرے ہیں ان ہی کے خاندان سے علمی و روحانی نبوض و برکات کا وہ سرسبز پھوٹا ہے جس سے آج تک ہندو پاکستان کے ارباب علم و اصحابِ دل سیراب ہو رہے ہیں۔ عالمگیر نے نادائے عالمگیری کی تدوین شروع کرائی تو ان سے بھی معاذت چاہی، وہ شاہی دربار سے کسی قسم کی وابستگی پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر اپنی والدہ کے اصرار پر مذاہی عالمگیری کی ترتیب میں شریک ہو گئے۔ لیکن شاہ صاحب کے مرشد حضرت خلیفہ ابوالقاسم نے دربار سے یہ تعلق پسند نہ کیا۔ اس لئے وہ جلد ہی اس کام سے علیحدہ ہو گئے۔ عالمگیر نے کچھ جاگیر دینی چاہی لیکن اس کو قبول کرنے سے انکار کیا عالمگیر ان سے ملنے کا برابر شائق رہتا مگر وہ بادشاہوں امیروں کے گھر جانا، اپنے

روحانی بزرگوں کے سلسلے کے خلاف سمجھتے تھے۔ ایک بار عالمگیر نے شاہ صاحب کے پاس شوق ملاقات کا پیغام بھیجا مگر وہ دربار میں جانے پر مطلقاً راضی نہ ہوئے۔ بلکہ ایک معمولی کاغذ پر جس میں ان کے جو قصے لپٹے رکھے ہوئے تھے، یہ عبارت اس قدر کی دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے شہنشاہ کے پاس بھیج دی۔

”اہل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت بڑا ہے۔ جو امیر کے آستانہ پر ہو حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا مَتَّاعِ الدُّنْيَا اِلَّا قَلِيلٌ۔ یعنی دُنوی زندگی کا سرمہ یا یہ بہت ہی تھیل ہے۔ تم کو قلیل ترین جزو ہے۔ اگر باغرض مجھے دو گئے تو وہ جزو لا تجزی ہو گا۔ اس ٹکڑے کے لئے جو پھر ٹکڑا نہ ہو سکے گا میں اپنے نام کو خدا تعالیٰ کے دفتر میں سے کیوں نکلواؤں، چشت کے بعض ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے۔ (نفاس العارفین۔ از شاہ

دلی اللہ ص ۶۹)

شاہ دلی اللہ اس خط کو نقل کر کے تخریر فرماتے ہیں کہ عالمگیر کو جب یہ رقعہ ملا تو اس رقعہ کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ فرمت کے وقت اس کو پڑھ کر روتا تھا۔

ادھر کی تفصیلات سے اندازہ ہو گا کہ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ مسلمان بننے کی کوشش کرتا رہا۔ اور راہ طریقت پر چلنے کے باوجود وہ شہر اہل بیت کا بڑا پابند تھا۔ آج کل کے غیر مسلم مورخین ایک حکمراں کی حیثیت سے، اس کا سطاوہ کرتے تو اس کی شہریت نوازی پر تنقید و تنقیص دونوں کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس کا جواب اس مقالہ کے

موضوع کے دائرے سے باہر ہے۔ لیکن کوئی مسلمان اس کے خلاف بڑے اٹھانڈھٹا پن سے
 پسند نہیں کرتا۔ محض اس لئے کہ اس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں میں مذہب کی
 ایک نئی روح پیدا کرنا چاہی۔ لیکن کیا مستقل طور پر بیدار ہو سکی؟ اگر نہ ہو سکی تو
 اس کا ذمہ دار کون ہے سلاطین یا علماء یا مشائخ؟ جس طرح عالمگیر کے جانشینوں پر
 الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ عالمگیری کی اس سلطنت کو بحال نہ سکے جس کو اس نے غزنی
 سے چائنگام اور کشمیر سے کرناٹک تک پھیلا دیا تھا۔ اسی طرح علماء اور مشائخ پر بھی یہ
 الزام آتا ہے کہ عالمگیری عہد میں مسلمانوں میں جو نئی روح روح بیدار کی گئی تھی اس
 سے نئی کے وارث بن کر وہ پوری بیدار مغزی سے ناکدہ اٹھانے اور مسلمانوں کی
 مذہبی، روحانی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی کو ہر طرح سنوارتے رہتے تو اس وقت
 مسلمانوں کی سیاسی زندگی بھی کچھ اور ہوتی۔ انہوں نے درس تدریس کی مسند اور محراب و
 منبر کی اہمیت ہی بننے پر اکتفا کیا۔ اور اپنے ترافض کی ادائیگی میں وہ کام انجام نہ دے
 سکے جن کی ان سے توقع تھی یا جو بگڑی ہوئی معاشرت اور سیاست بدلتی ہوئی
 صورت حال میں ان کو اپنے مذہبی فکر دہل، ایمانی جوش و طاقت اور روحانی تدبیر و
 بصیرت سے کرنا چاہئے تھا۔

—————

عالم اسلام میں فتاویٰ عالمگیری کی خدمات

از پروفیسر انوار احمد قادری ایس۔ ایم کالج کراچی

تاریخ شاہد ہے کہ شہنشاہ عالمگیر نہ صرف ایک شہنشاہ تھے بلکہ وہ ایک فقیہ بھی تھے۔ اور علوم دینیہ اور انعام پسندی کے سمندر تھے۔ اور علم کے دلدادہ اور عامل علم کی جماعت کے معین اور مددگار تھے۔ اسلامی وقاران کے عہد زریں میں اپنی طاقت کے بلند ترین سطح پر فائق تھا۔ اور رتبہ فلسفہ علوم شریعت اسلامیہ قرون اولیٰ کے دور کے بھڑا پتہ اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیق کے مرکز پر تھے۔ چونکہ عہد عالمگیر سے قبل شرعی مقدمات کے فیصلے کے لئے کوئی ایسی جامع اور مستند کتاب فقہ کی موجود نہ تھی جس میں متامل جمع کئے گئے ہوں اور جن سے ہر شخص باسانی مسائل کا استخراج کر سکے۔ شہنشاہ عالمگیر نے اس غلہ کو محسوس کیا اور چنانچہ انہوں نے تمام علما اور فضلا کو جمع کر کے تعین کا ایک قانونی کمیشن قائم کیا۔ جس کے انچارج شیخ نظام برہان پوری تھے۔ اور انکی ماتحتی میں چار افسران اور بھی تھے۔ جن کی افرادی امداد کے لئے دس دس متفرق علما اور بھی تھے۔ اس کمیشن کے ممبر حضرت شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم بھی تھے۔ اس کام کے لئے شاہی کتب خانہ جس میں بے شمار کتابیں فراہم تھیں۔ وقف کر دی گئیں۔ سات آٹھ برس مسلسل محنت کے بعد وہ کتاب تیار کی گئی جو آج فتاویٰ عالمگیری کے نام سے مشہور ہے۔ اس جامع کتاب میں جہاں نماز، حج، زکوٰۃ، ایمان، طہارت، نکاح، طلاق، جہاد، بیع کے مسائل میں وہاں

حدود تعزیر، قضا و پنچایت و آداب القاضی وغیرہ کے طریقے بھی درج ہیں جو شرع
منضبط کی رو سے جائز تھے۔ اور جن کو سامنے رکھ کر قاضی فیصلے دیا کرتے تھے۔ اگر ان
اداب کا ہم محققانہ مطالعہ کریں اور ان کا موازنہ قوانین و ضوابط دیوانی و فوجداری
و شہادت وغیرہ سے کریں تو بہت حد تک ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ علاوہ
قانون انگریزی کے الحاق کے ہندو پاکستان میں بہت سی باتیں قنادے عالمگیری سے
ماخوذ کی گئی ہیں اور جو ہم میں رائج ہیں۔

اس موقع پر اگر ہم یہ کہیں تو غلط نہ ہو گا کہ قنادے عالمگیری کا تعلق قوانین شرعیہ
سے وہی ہے جو رد من شہنشاہ جہینین کے قوانین کا تعلق گزشتہ قوانین رد ما اور
موجودہ قوانین یورپ و انگلستان و امریکہ سے ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہینین نے
ایک کمیشن دس علماء کا مقرر کر کے ایک کوڈ مرتب کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کا خیال
تھا کہ ایک ایسی جامع کوڈ مرتب کی جائے جس میں عہد گزشتہ کے قوانین کی چاشنی
ہو۔ کوڈ مذکور ۱۵۲۹ء میں تیار کی گئی۔ مگر چونکہ وہ عمل طور سے گزشتہ و کلا فصل
کے خیالات نہیں دے سکی لہذا شہنشاہ نے دوسری ڈائجسٹ ۱۵۳۳ء میں تیار
کراوائی۔ جو آئٹلیس فضلا کے خیالات کا خلاصہ تھی لیکن یہ بڑی طویل تھی اور حیثیت
برائے طباء تعلیمی نہ رکھتی تھی۔ اس لئے دوبارہ کام شروع کیا گیا۔ اور ایک کتاب
السیڈوٹ کے نام سے مرتب کی گئی مگر پھر یہ بھی مکمل جوابات زمانہ گزشتہ کے مسائل کا
نہ دے سکی تھی لہذا حکم ہوا کہ ۵۰۱ نظروں کے ذریعہ اس کتاب کو دھرایا جائے
اور جو دوسری کوڈ بارہ کتابوں میں منقسم تھی تیار کی گئی اور جو موجودہ دور میں موجود
ہے۔ اس سے بھی شہنشاہ نے بعد میں اپنے ذاتی اثرات میں رکھ کر تبدیل کیا
بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ رد من قانون کی یہ کتاب صرف مسائل قوانین دنیاوی ہی
رکھتی ہے۔ جس میں ذاتیات کا کافی دخل ہونے سے بڑی حد تک توڑ مرد پیرا کی

گئی۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں اس رومن مجموعہ قانون میں اصول قانون و قانون
 مشہور ہے، اصول قانون اخلاقیات میں فرق بالکل نہیں بتایا گیا۔ اس کی صرف یہ وجہ
 تھی کہ وہ زندگی کے فلسفے اور اطوار فلسفیانہ سے بالکل معری تھا۔ اب اس جگہ اگر
 ہم شہنشاہ عالمگیر کے فتاوے عالمگیری پر نظر ڈالیں تو ہم اس کو رومن مجموعہ سے
 کہیں بلند و بالا پائیں گے۔ فتاوے مذکور چونکہ شریعت اسلامیہ کے بلند و علیق
 اصول فقہ علم الفرد پر مبنی تھا لہذا وہ رومن مجموعات سے کہیں فصیح اور پر از دلائل
 ہے۔ یہ دنیاوی و دنیوی تمام مسائل کے طور و عوض کے بعد نہایت محققانہ
 طریق پر مکمل کیا گیا تھا۔ لہذا رومن مجموعہ کی صرف بارہ کتب کے بجائے ۴۰ کتب میں
 مرتب کیا گیا تھا۔ جو کئی ضخیم جلدوں میں مکمل ہوا۔ اس فتاوے پر اگر گہری نظر کی جائے
 تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک طرف دنیاوی اصولی باتوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ تو
 دوسری طرف زندگی کے عمل پر اس کا اثر ظاہر کرتا ہے۔ لہذا ہم اس کو ایک ایسی
 ذخیرہ کہہ سکتے ہیں جسے شریعت اسلامیہ کو مزید واضح تر بنی پذیر ہونے کا موقع فراہم ہوا۔
 موجودہ قوانین انگلستان و امریکہ سارے ملک ہی پاکستان میں اگر عدالت عالیہ کسی مقدمہ
 کا فیصلہ دیتی ہے تو یہ فیصلہ اس کی نوعیت کے دیگر مقدمات کے لئے نظر
 بن جاتا ہے۔ اور یہ نظریات نہیں اقسام یا امور کے مقدمات میں رونگ کا کام کرتا ہے۔
 جسے بانڈنگ پریسڈنٹ کہتے ہیں۔ اور جو موجودہ قوانین کا ایک ماضی سمجھا جاتا ہے شریعت
 اسلامیہ میں یہ کام دوسرے ڈھنگ سے فتاوے شریعت سے نتیجہ نکال دیتا ہے۔ یہ
 ایک قانونی طریقہ عمل ہے جو ایک فقہ یا مفتی سوالات مسائل شریعت کے جوابات
 میں دیتا ہے۔ اور جن کے ذریعہ عدالتیں مقدمات فیصلہ کرتی ہیں اور مسلمان اپنی زندگیوں
 میں عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس روشنی میں اگر فتاوے عالمگیری کو دیکھیں تو ہم کو اس کی خدا
 کا فیصلہ اندازہ ہو سکتا ہے۔ ”انہدال میں اگر اس فتاوے میں کسی اہم مسئلہ شرعیہ پر

نظر ڈالی ہے تو یہ امر عدالت کے لئے نظیر کا کام دیتا ہے اور عدالت مذکور اس سے بہتر جگہ کی متلاشی نہیں ہوتی اور اس پر مقدمہ کا فیصلہ کرتی ہے اس کی مثال تمام عالم اسلامی میں موجود ہے۔ جہاں تناوے عالمگیری نظیر کا کام دیتی ہے۔ یہ نہ صرف مسائل دینی بلکہ عدالتی فیصلوں میں استعمال میں آتی ہے۔ ہیں اس کی مثال عثمانیہ حکومت کا مجموعہ موسومہ بہ مجلہ میں ملتی ہے جہاں عدالتی کارروائیوں میں تناوے عالمگیری استعمال ہوتا رہا ہے اور یہ متعدد بار قسامبرہ اور دیگر عرب شہروں یا مالک میں فتاویٰ ہند۔ یہ نام سے مشہور ہے اور متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ یہ مراکش، انڈونیشیا، ترکی، قبرص سے لے کر جنوبی افریقہ کے تمام مالک میں بطور ایک دلیل اور مستحکم تصنیف قوانین و فقہ اسلامیہ کے رائج ہے اور تمام مسلمان اس سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اور عدالتیں اسے استعمال میں لاتی ہیں۔ دنیا کی تمام زبانیں مثلاً فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، عربی فارسی وغیرہ میں قوانین اسلامیہ کی کتابیں لکھی گئی ہیں قریب قریب سب میں فتاویٰ مذکور کا حوالہ ملتا ہے۔

جہ منلیہ میں عدالتی انصاف دیوالی یا فوجداری کی تمام کارروائیاں فتاویٰ مذکور کے لحاظ سے ہوتی تھیں اور امور سلطنت میں یہ کتاب بعنوان کتاب اسیر استعمال میں لائی جاتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں ایٹ انڈیا کمپنی نے فتاویٰ مذکور کے کتب عقوبات حدود و تعزیرات کا استعمال کیا۔ آداب الفاظی ضابطہ فوجداری میں لایا گیا جس کی مثالیں اشعار صویر و انیمہ میں صدی کے مقدمات نظامت عدالت و صدر دیوانی عدالت کی رپورٹوں میں موجود ہیں علاوہ اس کے نفت دہلی مذکور ہندوستان کے ہزاروں فیصل شدہ مقدمات میں برابر مستعمل رہا ہے۔ ادر ہے۔ ان مالک کے علاوہ دیگر مالک مثلاً ملایا، سنگاپور، برما، افریقی مالک اور عرب مالک میں یہ عدالتوں میں استعمال ہوتا چلا آیا ہے اس کی ایک مثال بطور ثبوت کافی ہے اور وہ ۱۸۵۹ء

کے فلسفین سپریم کورٹ کا مقدمہ بعنوان سعادت کمال بنام اٹارنی جنرل فلسفہ جو اسل کیس سال مذکور صفحات ۵۰۲، ۵۲۳ میں درج ہے۔ سے ملتی ہے۔ مقدمہ مذکور میں ایک وقفہ کا نکتہ درمیان تھا ابتدا فاضل ججوں نے ترکی مجلہ کے آرٹیکل ۱۶۶ لغایت ۱۶۶، ۱۶۷ دیگر کتب و مقدمات فلسفین رقبہ کا حوالہ دیتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری کی جلد دوم صفحہ ۲، ۳ کے اخذ کو بطور نمونہ استعمال کیا اور اسے بہترین تحقیقی قوانین اسلامیہ بتلا کر فیصلہ راسی بنیاد پر کر دیا۔

دورِ حاضرہ میں بوجہ سیاسیات، فذغرضی، قوم پرستی اور موقع شناسی قوانین روم کا مختلف طریقہ پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ان فروعات حصول کے جہاں یورپ کی حاکمیت مشرق میں سیاسی طور پر داخل ہوئی ہے ہم دیکھتے ہیں بمقابلہ مختلف رنگینیت قوانین روم کے، شریعت اسلامیہ بوجہ ملت اسلامیہ و بذریعہ فتاویٰ عالمگیری زیادہ مستحکم ہے اور تمام مسلم ممالک و غیر مسلم ممالک، جہاں شریعت اسلامیہ عمل میں لائی جاتی ہے فتاویٰ مذکور کی تشریح بغیر روک ٹوک عمل میں لائی جاتی ہے۔ اور عدالتوں میں استعمال پذیر ہے۔ حالانکہ فتاویٰ مذکور ایک شہنشاہِ وقت نے مرتب کر دیا ہے۔ پھر بھی چونکہ یہ محسوس مسائل شرعیہ کی تحقیقات پر مبنی ہے تمام عالم اسلام نے اسے زیادہ ترجیح دی اس کی مثال تاریخ قوانین عالم میں کہیں نہیں مل سکتی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ فتاویٰ مذکور کو ان تمام تحقیقی فقہی کتب جو ذاتی اور پرائیویٹ طور پر لکھی گئیں، کہیں زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ اس کے ثبوت میں ۱۹۱۷ء کے مقدمے، موسومہ سماء تاج بی بنام مولا خاں جو بہی اکی کورٹ کے فاضل جج مسٹر بن نے دیا تھا پیش کرتا ہوں اس فیصلہ میں فاضل جج مذکور نے یہاں کہا کہ عالمگیریہ کو بمقابلہ درالخار کے کہیں زیادہ فوقیت حاصل ہے کیونکہ یہ مجموعہ ایک اسلامی حکومت کے شہنشاہ نے اپنے زمانے کے ماہرین علوم اسلامیہ کے

حالات و ضروریات کا کس حد تک ساتھ دے سکتے ہیں اور قوانین پاکستان کو اسلامی نظریات پر لانے کا سوال بڑا اہم ہے۔ میری ناچیز رائے میں اگر آپ ہندوستان کے قانونی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ انگریزی حکومت نے رائج الوقت مغلیہ طریقہ انصاف کو جو شریعت اسلامیہ پر مبنی تھا ختم کر دیا۔ انہوں نے قوانین اسلام جو عدالتی کارروائیوں میں ضابطوں وغیرہ میں استعمال ہوتے تھے بالکل نکال دیا۔ اور بقیہ ذاتی و خانہ دانی قوانین اسلام جو لاگو رکھے گئے ان میں بھی اپنا رنگ پیوست کر دیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قوانین اسلام کے دو ضروری جزو الگ کر کے ایک کو قائم رکھا جائے تو کیا پریشانی نہ ہوگی۔ کیا یہ اشد ضروری نہیں کہ دونوں قائم رکھے جائیں۔ کیوں کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے اور بڑی حد تک درست بھی ہے کہ موجودہ دور میں قوانین اسلام کا اطلاق مکمل نہیں معلوم ہوتا۔ اور ان کی غلط نکتہ چینی کی بجائے اس کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ طریقہ انصاف کے لئے ماڈل یا نمونہ کی اسلامک کوڈس ڈرافٹ کی جائیں۔ اور عدالتیں ان مختلف کوڈس کو اپنے سامنے رکھ کر فیصلہ دیتے وقت ان سے امداد لیں ان کوڈس کو بنانے میں متاویس عالمگیری سے بڑی حد تک امداد لی جاسکتی ہے۔ دیگر اسلامی مذہبوں کے لئے ان کوڈس میں ان کی کتب سے اخذ کی ہوئی باتیں جو حنفیہ سے اختلاف کرتی ہوں شامل کی جائیں۔ اگر یہ کام چند سال میں عمل میں لایا گیا تو بفضل خدا تعالیٰ قوانین پاکستان کا اسلامی نظریات پر لانے کا مسئلہ بڑی حد تک آسان ہو جائے گا اور یہ بات تمام عالم اسلام و دیگر ممالک کے لئے نہ نہ ثابت ہوگی۔

مفت محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی

ذریعے مرتب کروایا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ حج موصوف نے فیصلہ مذکور میں اسلام کی
 فقہی کتب مثلاً فتاویٰ قاضی خاں ہدایہ وغیرہ پر بڑی عالمانہ طور پر
 بحث کی اور یہ کہا کہ تاریخ شاہوہے کہ فتاویٰ عالمگیری نے نکتہ قانونی پر جو اسے
 ظاہر کی، سب سے بہتر ہے۔

فتاویٰ مذکور عربی زبان سے فارسی میں ترجمہ ہوئے اور اردو زبان میں متعدد بار
 شائع ہوئے ہیں۔ انگریز مصنف مسٹر میلی نے سب سے پہلے اس کا انگریزی میں
 ترجمہ کیا۔ لیکن یہ بات قابل مدافیس ہے ان کے ترجمے میں غلطیاں ہیں جن میں
 ایک ناش غلطی مساقہ اسلو کے مقدمہ میں دریافت ہوئی تھی اگر یہی صاحب کچھ توجہ
 فرما کر ہر سند میں ان کتب فقہ کا حوالہ لکھ دیتے جیسے انہوں نے مفاد میں یا عبارت
 کے ترجمے کئے ہیں۔ جیسا انہوں نے بعض مسائل میں کیا ہے کہ اسناد نقل کر دے
 ہیں تو ان کی کتاب بہت زیادہ فائدہ مند ہوتی۔ ان غلطیوں کا دوسروں پر بھی اثر
 پڑا چنانچہ مسٹر امیر علی کی کتاب بھی ان غلطیوں سے خالی نہیں ہے جس میں سب سے
 عمدہ ثبوت عدالتی فیصلوں میں قاتلے جو ان کتابوں ترجمہ دے گئے ہیں مثال
 کے طور پر کلکتہ ہائی کورٹ کے ۱۹۰۳ء کے فیصلے موسومہ فاطمہ بی بی منام
 احمد بخش ہی کو لے لیجئے۔ فاضل ججوں نے مسٹر میلی اور امیر علی صاحب کی کتابوں
 کو فارسی عالمگیری کا صحیح ترجمہ مانتے ہوئے فیصلہ دیا۔ اگر آپ فتاویٰ مذکور کے
 عربی زبان کی تالیف کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ حوالہ ان دو کتب کا
 غلط طور پر دیا گیا۔ جو وہاں نہ تھا۔ اپیل میں ہائی کورٹ کا فیصلہ
 برقرار رکھا گیا۔

ان چند مسودہ کے بعد میں اپنا مقالہ ختم کرتا ہوں لیکن چند ذاتی مشورے
 بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں آج کل یہ بات کہ دور حاضرہ میں قوانین اسلام کے جدید

عقیدت مندی کا ایک بین ثبوت ہے۔ مختصراً اس کی زندگی میں خلفائے راشدین کی زندگیوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس نے اپنے دربار بلکہ پوری سلطنت کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی لیکن اس کا سب سے بہتر مظاہرہ ہم کو خود اس کی اپنی زندگی میں نظر آتا ہے۔

اس کے سیاسی فلسفہ کا بنیادی تصور یہ تھا کہ انسان کی نجات اور دنیا کے مسائل کا بہترین حل ہم کو اسلام ہی کے اصولوں میں مل سکتا ہے یہی سبب ہے کہ ہم کو اس کی زندگی میں اور اس کی پالیسیوں میں یہ عقیدہ صاف طور پر نظر آتا ہے، حقیقتہً اس پر اعتراضات اور اختلافات کی بنیاد بھی یہی عقیدہ ہے۔

ہم اس مقالہ میں اس کی چند اصلاحات کا مختصراً ذکر کریں گے تخت نشینی (جون ۶۱۵ء) کے کچھ ہی عرصہ کے بعد اس نے اس رواج کو بند کیا کہ شاہی سکوں پر کلمہ طیبہ کندہ کیا جائے، اس کا خیال تھا کہ اس کلمہ کی توہین ہوتی ہے۔ سکتے تجارت کی سہولت کئے ہیں۔

(خانی خاں)

منلیہ دربار میں ایک مدت سے جشن نوروز منایا جاتا تھا۔ اس کو بھی ختم کیا گیا کیوں کہ یہ ایک ایرانی رسم تھی اس کے بجائے اس نے رمضان کے آخری ایام اور عید الفطر کے موقع پر جشن منانا شروع کیا اور اس کو جشن نوروز کی جگہ جشن نشاط افرودز کہا گیا عید الاضحیٰ بھی شان کے ساتھ منائی جاتی تھی اسے ہند شاہ عام مسلمانوں کی طرح خود بھی قربانی کرتا تھا۔ (ماثر الامراء)

۶۱۶ء میں اس نے ایک حکم جاری کیا کہ تاج گلشن کی محفلیں سپر بازار شکی جانیں، اور دربار کے گوتوں کو بھی منع کر دیا گیا۔ انہوں نے اس کے خلاف

عالمگیر کی معاشری اصلاحات

(از بیگم صلاح الدین پکھرار تاریخ کراچی یونیورسٹی)

شہنشاہ عالمگیر برصغیر منہ پاکستان کے مشہور ترین حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی شہرت کا سبب یہی د تھا کہ وہ عظیم شاہان مغلیہ میں سب سے آخری بادشاہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے پچاس سالہ در حکومت میں یہ سلطنت اپنے انتہائی عروج پر پہنچی، اس کی پالیسیوں کے متعلق مورخوں میں اختلاف رہا ہے اور شاید یہ اختلاف ہمیشہ رہے گا۔ لیکن اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ اس کی اپنی زندگی اور اس کے اعمال اسلامی تعلیمات کے مطابق تھے۔

اس کی سادہ مزاجی پاکیزہ اخلاق اور دویشناہ مذاق، اکبر کی شان شوکت، جہانگیر کی عیاشی اور آرام طلبی اور شاہجہاں کے ذوق تیراج بالکل مختلف لکھ متضاد نظر آتے ہیں۔

تفریح اور دلہنگی کے ان تمام ذرائع کے باوجود جو مغل شہنشاہ کو حاصل تھے، عالمگیر کا ایک سپاہی اور درویش کی طرح زندگی بسر کرنا انسانی

کوسیتی کا ایک جنازہ بھی نکالا۔ لیکن بادشاہ نے اس کی پروا نہیں کی، اس کے خیال میں اس قسم کی محفلوں سے قومی کردار پر بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ اناثرالامرا۔ غانی غلام) بادشاہ کو سونے اور چاندی میں تو لٹنے کی بھی ایک عرصہ سے رسم جاری تھی عالمگیر نے اس رسم کو یکسر ختم کر دیا کیونکہ اسے ایک طرف تو بادشاہ میں غرور پیدا ہوتا تھا اور دوسری طرف بعض جاہل لوگ اسکو عبادت سمجھنے لگے تھے۔

اسی طرح جھڑکے سے بکشن کی رسم خالص ہندوانہ تھی، ہندو لوگ سمجھتے تھے کہ بادشاہ کی شکل اگر مجمع کے وقت دیکھ لی جائے تو دن بھر خوشیاں حاصل ہوتی رہیں گی۔ عالمگیر ایسی ضعیف الاعتقادی کو پسند نہیں کرتا تھا چنانچہ یہ سلسلہ بھی بند کر دیا گیا۔

کچھ اور بھی ہندوانہ رسمیں تھیں جو اکبر کے زمانہ سے درباری زندگی میں جگہ حاصل کر چکی تھیں۔ مثلاً دسہرہ کو بکسیت ہوا رنانا۔ پہلے تو عالمگیر نے اس میں خود شریک ہوتا ترک کیا، بعد میں اس کو قطعی طور پر منسوخ کرنے کا حکم دے دیا۔

ایک اور رسم یہ تھی کہ ہندو راجاؤں کی تخت نشینی کے بعد بادشاہ ان کی پیشانی پر تشقہ لگاتا تھا یہ خالص مذہبی رسم تھی اس لئے اس کو جاری رکھنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ اور ۱۶۵۷ء میں منسوخ کر دی گئی۔ اناثرالامرا ۱

اپنی حکومت کے بارہویں سال میں اس نے درباری پوشیدہ کو بھی کیا کیونکہ جوش میں اس کو اعتقاد نہ تھا۔ اور تخت نشینی کے اکیسویں سال میں اس نے یہ حکم دیا کہ سونے اور چاندی کے بنے ہوئے عود و دِل دربار میں استعمال نہ کئے جائیں اور نیز امرات کو بہت ہی لمبی عباؤں اور ڈاڑھیاں رکھنے اور پہننے کو منع کر دیا کیوں کہ یہ بشریتِ اسلامی کی رو سے ناجائز اور رسول پاک اور خلفائے راشدین کی

معاشری اصلاحات کے سلسلہ میں فحاشی کو بند کرنے کی بھی کوشش کی اور
 طوائف کو حکم دیا گیا کہ وہ شادیاں کریں، لیکن مورخوں کا بیان ہے اور غالباً یہ صحیح
 ہے کہ اس کے نفاذ میں اس کو صرف ایک حد تک کامیابی ہوئی، پھر بھی یہ اقدام
 یقیناً قابل تحسین تھا۔

بعض ایسے احکام کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے جن کی سیاسی اہمیت تو نہ تھی
 لیکن سماج پر ان کا اثر ہوتا تھا۔ سماع صوفیاء کے نزدیک جائز بلکہ اچھا ہے
 لیکن اس سلسلے میں بزرگوں کے مزارات پر لوگ ایسی حرکات کرتے تھے جو کسی طرح
 قابل تعریف نہیں کہی جاسکتی تھیں اس لئے اس نے اس کے خلاف احکام جاری
 کئے۔ مگر جو مشائخ قاعدہ کے اندر گناہ سنتے تھے وہ مستثنیٰ تھے۔

سونے اور چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے کپڑے مردوں کے لئے نا
 جائز قرار دے گئے۔ کیوں کہ ان سے ان کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ اُس
 زمانے میں یہ بھی طریقہ تھا کہ دشمنوں کی ہڈیوں کے خجروں اور تلواروں کے دستے
 تیار کئے جاتے تھے۔ مالگیر نے اس رسم کو بھی روک دیا۔

مالگیر کی معاشری اور اخلاقی اصلاحات جو مختصراً بیان کی گئی ہیں اس سے ہم
 اس کے خیالات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مورخ کے لئے اس شہنشاہ کی سب سے
 نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس نے ان احکام کی پابندی خود بھی کی جو دوسروں کے لئے
 جاری کئے۔ اسلام نے سادگی پر بہت زور دیا ہے مالگیر نے اس کی کیسی نایاب
 مثال قائم کی اس کو ہم اس کی طرز زندگی میں دیکھ سکتے ہیں، وہ بیت المال کا
 روپیہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف لکھ کر اور معمولی ٹوپیاں سی کر
 جو تھوڑا بہت کما لیتا تھا وہی اپنے خرچ میں لاتا تھا۔ غالباً یہی سبب ہے کہ شاہی
 پوشاک کے نیچے وہ انتہائی موٹے اور سستے کپڑے پہنتا تھا، مرنے سے پہلے بھی

اس نے وصیت کی کہ اس کی تجزیہ و تکفین اسی روپیہ سے کی جائے جو اس نے اس طریقہ سے کمایا تھا۔ اسی طرح گفن بھی نہایت سستے کپڑوں سے تیار کر نیکا حکم دیا تھا۔

بعض مورخوں نے ان اصلاحات کا ذکر کر کے صرف یہ کہہ دیا ہے کہ وہ بادشاہت کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ یقیناً ان کی تنگ نظری ہے۔

اس کی جاری کردہ اصلاحات ممکن ہے اس حد تک کامیاب نہ ہوئی ہوں جتنی کہ اس کی خواہش تھی، لیکن اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے بگڑتے ہوئے معاشرے کو سنبھالنے کی زبردست کوشش کی۔ اس کی موت کے بعد ہمارا معاشرہ اخطا طعیر ہوا۔ لیکن اگر عالمگیر اصلاح کی کوشش نہ کرتا تو یقیناً اس کی حالت بہت زیادہ خراب اور قابل افسوس ہوتی۔

(بقیہ - مرشد قلی خاں صفحہ ۸۵)

حوادث زمانہ سے پامال ہوئے تھے اور مغلوں کے تسلط سے فراہم ہو گئے تھے۔ انکی ہر طرح دہلوی و دہلوی کی مال امداد کرکھا نکاشت کے قابل بنایا تھا کی بلوں کے جو دیہات ویران ہو گئے تھے انکو از سر نو آباد کیا جن دیہات میں پیل پوری لاپتہ ہو گئے تھے انکی بازیافت کی اور انکو کام پر لگایا جن لوگوں کا پتہ نہیں چلا وہاں چھ قبرستانوں کا پیل مقرر کئے اس طرح ہر گاؤں میں نئی پیدا کردی۔ اسکے علاوہ کاشتکاروں کو سرکاری خزانہ سے تعاون کی قیمن لائیں تاکہ وہ ضروری ہل اور جانور خریدیں اور کاشت کو آگے بڑھائیں۔ یہ ہمارے کاشتکار بے دست و پا ان کے ہل تھے نہ جانور کاشت ہو تو کیونکر ایسی ضروری امداد کا انتظام کریں گی ان کی گاؤں آباد ہو اور ہر جگہ سے بھرے کھیت نظر آنے لگے یہ تھے وہ مرشد قلی خاں کے محسن تدبیر اور دسویں کی بدلتا ویران گاؤں آباد ہوئے بلوغت میں ہوئے ٹوٹے ہوئے دل بڑھ گئے۔ اور ہر طرف سے بھرے کھیت ہر آنے لگے۔

گورو گوبند سنگھ جی اور اورنگ زیب

سکھوں کے دسویں گورو گوبند سنگھ جی ہوئے ہیں۔ آپ کا اصل نام جواپ کے والدین نے تجویز کیا تھا گوبند رائے یا رائے گوبند تھا۔ جسے بعد میں انہوں نے خود گوبند سنگھ میں تبدیل کر دیا۔ آپ گورو تیغ بہادر جی کے اکلوتے فرزند تھے۔ سکھوں میں آپ کو "کلیدھر"، "دیش نہا"، "بازاں والا گورد" اور "خوجاں والا گورد" کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بعض سکھ دودان تو کسی دعویٰ اور دلیل کے بغیر آپ کو آخری نبی کا لقب دینے سے بھی گریز نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ایک سکھ دودان سردار رندھیر سنگھ جی ہمشیری ریسرچ سکا لرشورمنی گوردوارہ پر بند حک کیٹی امرتسر نے بیان کیا ہے کہ

"خالصہ (کمل انسان) کے بلند خیال کے خالق آخری نبی"

ایک سکھ دودان کا بیان ہے کہ گوردانک صاحب سے لے کر گورو گوبند سنگھ جی تک خود کو ٹہرایا اذتار یا رسول کچھ بھی نہیں کہتے تھے اور اس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں

کیا۔ خالصہ سچا چار امرت سرمدہر نو مبر ۱۹۱۷ء ۷۷ مشہور مرتبہ ۲

گوبند سنگھ جی کے ظاہر و درشن میں اللہ کا تعنیف (۱۴م گزتم)
سے ہوئے ہیں۔

آپ کی زندگی کے حالات جو ہم تک پہنچے ہیں وہ بہت ہی عجیب و غریب ہیں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک سکھ دودان اور مصنف نے حقانی سے بے پروا ہو کر
اور تانچ سے لے نیا ز ہو کر جو دل چاہا لکھ دیا۔ اور اسے تاریخ کا درجہ دے دیا۔ اس
سلسلہ میں ایک سکھ دودان رقمطراز ہے کہ۔

”سکھ پنڈ میں سارے قابل احترام گوردھامبان میں سے صرف
گورد گوبند سنگھ جی ہی ایسے گورد ہوئے ہیں جن کی ہر بات اور ہر
عمل سے متعلق سکھ تاریخ میں بحث ہے۔۔۔۔۔ گورد گوبند سنگھ جی
جس طرح کے تھے اس طرح کے نہیں کہ جس طرح کے
موجودہ مورخین آپ کو پیش کرنا چاہتے ہیں اس طرح کے ہیں۔
تقریباً ہر ایک سکھ مورخ نے ہی آپ کے حالات کو
اپنے ذاتی خیالات کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے اور
ہر ایک سکھ محقق نے آپ کی زندگی کے فلسفہ کو حسبِ خواہ تشریح
کر کے ارتھوں کے ارتھ کرنے کی کوشش کی ہے تاریخ کی
موجودہ کتب کے مطالعہ سے آپ کی شخصیت واضح طور پر
سامنے نہیں آتی۔ آپ کی زندگی کا کوئی بھی بڑا واقعہ صحیح رنگ
میں بغیر کسی بیشی کے پڑھنے کے لئے نہیں ملتا۔ موجودہ
سکھ تاریخ کے مطابق آپ کی تمام زندگی اور زندگی کا تمام

فلسفہ متضاد باتوں سے بھر پور ہے۔

اس صورت میں آپ کے سوانحی حالات کے بارے میں کسی کے لئے کوئی رائے قائم کرنا اور اس سے نتیجہ اخذ کرنا بہت مشکل ہے۔

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ جنگ و جدل میں گزرا ہے آپ نے اپنے عقیدہ مندوں کو بھی ایک جنگی ٹولہ کی شکل دیدی تھی۔ گوردوارہ ٹریبونل کے ایک فاضل جج آپ سے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ۔

”گوردوگو بند سنگھ نے گوردو سرگوبند کے ظاہر کردہ خیالات کا پرچار کرتے ہوئے اپنے اندون کو سیاسی فوجی اور اسلام کے خلاف بنادیا۔“

مشہور مورخ بیالی گیان سنگھ نے اس سلسلہ میں یہ بیان کیا ہے کہ۔
 ”گوردوگو بند سنگھ ایک نہایت بیدار سنز اور مالی دماغ پیشوا تھے۔ جب ہزار ہا آدمی امرت چکھ چکھ کر ان کے پیرو ہو گئے تو قبل اس کے کہ وہ اپنا کام شروع کریں انہوں نے اپنے مریدوں کو جو براہمنوں کی کریا سے ساگ پات کھا کھا کر بالکل گوتا بنا بنے ہوئے تھے جنگ و جدل جیسے شکل کا مراد ہیں مشاق بنانا چاہا۔ اور اس کے لئے سوا سے اس کے اُس وقت کوئی دوسری عسدہ ترکیب نہیں تھی کہ وہ پہاڑی راجپوتوں کے ملک میں جنہوں نے ان کے مذہب کی پیروی سے انکار کیا تھا دور در دور زنگل جایا کریں اور لوٹ مار کر کے چھا پے مارنے

اور جنگ و جدل میں جہارت حاصل کریں، شکار کیلیں

اور گنگا جل (شرب) پیئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

گوردگو بند سنگھ جی کی تمام زندگی جنگ و جدل اور کشت و خون ہی میں گزری ہے۔ ایک سکھ دودان رقمطراز ہیں کہ۔

”ہندو دھرم کی حفاظت اور سکھ جماعت کے قیام کے لئے گورد

گو بند سنگھ جی کو مغل حکومت سے اعلانہ جنگ کے پروگرام

پر عمل کرنا پڑا۔۔۔ گوردگو بند سنگھ جی نے اپنے جنگ و جدل میں

ملکی فتوحات حاصل نہیں کیں۔“

اس سے ظاہر ہے کہ گوردگو بند سنگھ جی نے ہندو دھرم کی حفاظت میں اورنگ زیب

کے خلاف جنگ کی۔ گویا کہ آپ ہندو دھرم کے محافظ تھے۔

لیکن اس کے برعکس ایک سکھ دودان نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ۔

”ہندو دھرم کا محافظ یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ“

منہ کشتم کوہیاں بت پرست کاؤبت پرست دمن بت شکست“

ایک اور سکھ دودان نے اس بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ۔

”تاریخ سے واقف جانتے ہیں کہ گوردگو بند سنگھ جی کا شاہ

اورنگ زیب سے کوئی ذاتی عناد نہ تھا۔ یہ تمام سازش ہندوؤں

ہم کی تھی۔ جب ہندوؤں نے سوچا کہ گوردگو بند سنگھ جی ہندو

حکومت کا قاتلہ کر رہے ہیں۔ تب۔۔۔ صاحب گوردگو بند

۱۷۱۱ء تواریخ گوردو خالص اردو۔ ص ۱۵۱ ۱۷۱۱ء رسالہ سنت سپاہی امرتسر فروری ۱۹۱۱ء

۱۷۱۱ء اخبار فتح کنفیڈریشن ہندوستان

شکھ جی مہاراج اور اورنگ زیب کے درمیان لڑائی کی بنیاد
تایم کی۔ گو گو بند شکھ صاحب خود اپنے غفر نامہ میں لڑائی
کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ۔

منم کشتنم کو سیاں بت پرست کان بت پرستند من بت شکست

شکھ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں تو پہاڑی راجے اور گو گو بند شکھ جی
آپس میں بیٹھے رہے۔ اور پہاڑی راجے اس امر میں کوشاں تھے کہ وہ کسی طرح گورد
جی کو اند پور سے بے دخل کر دیں۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ انہیں مٹا
نقصان ٹھاٹھا پڑا اور کارجی لڑائی پہاڑی راجاؤں سے قابو سے باہر ہو گئی تو وہ
مٹو دار سرہند کے پاس فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے گئے مٹو دار سرہند نے ان
سے خرچ وصول کر کے ان کی فوجی امداد کی چنانچہ مشہور شکھ مورخ گیانی گیان سنگھ جی
بیان کرتے ہیں کہ۔

”جب پہاڑی راجاؤں نے دیکھا کہ سکھوں کو شکست دینا

ان کے بس کی بات نہیں تو فوراً مٹو دار سرہند کے قدموں

پر جا گرے اور بیس ہزار روپیہ خرچ کا ادا کر کے لکے

خواہاں ہوئے الغرض سو بیدار سرہند نے بہت سی فوج

دے کر راجہ بھیم چند کی مدد کی۔“

ایک اور شکھ دودان رقمطراز ہیں کہ۔

”اس شکست سے شرمندہ ہو کر مٹو دار سرہند کو بیس ہزار

روپیہ اور راجہ بھیم چند نے اپنے خاندان میں سے ایک

راجپوت لڑکی کا رشتہ دیا ملے کر کے اپنی امداد پر گورو صاحب کے
خلاف چڑھائی کر کے لے آیا۔

پہاڑی راجاؤں کا خرچ ادا کر کے حکومت سے فوجی امداد حاصل کرنا اس امر کو
واضح کر رہا ہے کہ حکومت کا گورو جی سے براہ راست کوئی جھگڑا نہ تھا بلکہ حکومت کو
پہاڑی راجاؤں کی درخواست پر ان کی امداد کے لئے میدان میں ناپڑا۔ ایک ہندو
ودوان مہاشہ سنت رام نے حکومت کی اس امداد کے بارے میں ... بیان کیا کہ
”گو بند سنگھ جی نے بلا تیز ہندو اور مسلمان کے لڑائیاں کیں بلکہ
زیادہ تر ان کی جنگ ہندوؤں کے ساتھ تھی مسلمان
حاکموں کو صرف ہندوؤں کی مدد کے لئے شامل ہونا پڑا۔ اور
ان کا اخلاقی فرض تھا کہ اپنے ماتحت اور کمزور ہمسایہ حکومتوں
میں امن و امان قائم رکھیں۔“

اس طرح صوبہ ہند کی طرف سے پہاڑی راجاؤں کا پلہ بھاری ہو گیا اور گورو
صاحب کو اند پور چھوڑنا پڑا۔

اس بارے میں ایک سکھ وودان کا یہ بیان ہے کہ۔

”ستھ دھندو ایکار، سرکاری نو شاہی اور بیت سے
راجپوت راہے بھی گورو صاحب کے خلاف لڑے تھے۔“

ایک سکھ وودان نے پہاڑی راجاؤں اور گورو گو بند سنگھ جی کی ان لڑائیوں کا
سبب بیان کیا ہے کہ۔

لے ہفر نامہ مترجم ص ۶ لے ہندو جاتی اور سکھ گورو ص ۶

لے رسالہ سنت سپاہی امرتسر فروری داپریل ۱۹۳۶ء

پہاڑی راجاؤں کو آپ نے غیر ملکی منہلوں کی حکومت کے.....
 خلاف بہت اُبھارا..... کئی مرتبہ پہاڑی راجے مانے بھی
 مگر حکومت کی طاقت دیکھ کر پھر منہلوں سے بل جاتے تھے
 اور انہی گورو جی کی شکایات کرتے تھے۔

الغرض اس حقیقت سے کسی بھی محقق کو انکار نہیں ہو سکتا کہ گورو گو بند سنگھ جی اور
 اورنگ زیب یا اس کی حکومت سے براہ راست کوئی جھگڑا نہ تھا۔ جب گورو گو بند
 سنگھ جی نے اپنے ارد گرد شاہی باغی اور اہل زن حج کر کے پہاڑی راجاؤں کے
 علاقوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا تو حکومت کو مجبوراً دخل دینا پڑا۔ اور
 حکومت کو یہ دخل بھی پہاڑی راجاؤں کی درخواست پر دینا پڑا، اور ان سے
 فریج وصول کیا گیا۔

گیانی گیار سنگھ جی نے گورو صاحب موصوف کے ارد گرد جمع ہونے والے لوگوں کا
 تعارف حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے کہ

”شاہی باغی ٹھاٹھ کاٹھ دھاڑ دی لوگ بھی گورو جی کے پاس
 اس وقت بہت آگئے تھے اور وہ ہر وقت یہی چاہتے تھے کہ
 کسی نہ کسی طرح فساد پیدا ہو۔“

اس جنگ و جدل اور لڑائی جھگڑوں میں گورو صاحب کو کافی نقصان اٹھانا پڑا
 جب گورو صاحب کے اس نقصان کا اورنگ زیب کو علم ہوا تو اسے اس کا بہت
 افسوس ہوا۔ چنانچہ اس نے بقول سکھ و دانوں کے گورو جی کو یہ مراسلہ بھیج دیا کہ
 ”میرے عملے نے بت پرست پہاڑی راجاؤں کے کہنے پر سختی کی ہے“

جس کی سزا میں انہیں خود دہلی آکر دنگا آپ جس قدر جلد ہو سکے
میرے پاس آئیں۔“

اس کے علاوہ گئیانی جی نے بیان کیا ہے کہ اورنگ زیب نے پنجاب کے
تمام حکام کو بھی لکھ دیا کہ گورو صاحب کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ اور اس کی اطلاع
بادشاہ نے گورو صاحب کو بھی کر دی جیسا کہ گئیانی جی لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب نے
گورو صاحب کو یہ بھی لکھا کہ۔

”میں نے کل حاکن پنجاب کے نام احکام جاری کر دیے ہیں۔
۱۔ میرے کہ اسلئے آپ سے کوئی مقابلہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ
ایسا ہی ہوا۔“

اس کے علاوہ اورنگ زیب نے گورو صاحب کو یہ مراسلہ بھی بھجوا دیا کہ۔
”ہند کے پر جہاں چاہیں رہ سکتے ہیں کیوں کہ شہنشاہ دہلی کو
ان کے معصوم بچوں، امت اور بے شمار دولت کے برباد
ہونے کا افسوس ہے۔“

ایک مکمل ددوان پروفیسر کرتار سنگھ جی۔ ایم اے بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب نے
اس سلسلہ میں ایک فرمان صوبیدار ننڈا کے نام بھی جاری کیا تھا جیسا کہ پروفیسر صاحب
لکھتے ہیں کہ۔

”اس نے سرمنڈ کے نواب کو ایک چٹھی لکھی جس میں اس کی
زیادتیوں پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اسے تنبیہ کی کہ اسلئے

گورو جی کو تنگ نہ کیا جائے۔

مشہور سکھ مورخ گیانی گیان سنگھ جی بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب نے جواب طلبی بھی کی تھی کہ اس نے گورو صاحب کے خلاف فوج کشی کیوں کی جیسا کہ گیانی جی لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب نے متودر سرسند کو لکھا تھا کہ۔

”آپ نے نامک شاہ خدا پرست پیر کے گدی نشین پر پہاڑی
بت پرست راجاؤں کے کہنے پر..... فوج کشی کیوں کی تھی
کیونکہ جب اس نے شاہی نقصان کوئی نہیں کیا تھا تو آپ نے
ناحق کرڈروں اور ہزاروں آدمی شاہی کیوں ضائع کر دئے؟
یہ بہت بُرا کام کیا ہے۔ اور آپ کو کونسا ملکہ اور خزانہ
حاصل کرنا تھا جو اتنی بڑی لڑائی چھیڑ دی۔ اس کا جواب
صحیح طور پر دے دو اور آئندہ کے لئے اس پیر کی طرف بھی
بُری آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا۔ جہاں اس کا دل چاہے سکونت
اختیار کرے۔“

اورنگ زیب بادشاہ کا متودر سرسند سے یہ جواب طلبی کرتا واضح کرتا ہے کہ گورو صاحب کا
حکومت سے کوئی جھگڑا نہ تھا بلکہ پہاڑی راجاؤں سے ان کا ذاتی تنازعہ تھا اور وہ
آپس میں الجھ رہے تھے۔

سکھ مورخین بیان کرتے ہیں کہ گورو گوہند سنگھ جی نے اورنگ زیب کے نام ایک چٹھی بھی
ارسال کی تھی جسے سکھوں میں ظفر نامہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس چٹھی میں گورو
صاحب نے علاوہ اور باتوں کے پہاڑی راجاؤں سے جھگڑے کی وضاحت بھی

کی تھی اس کے جواب میں بادشاہ نے گورو صاحب کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اور ان پر زیادتی کرنے والے لوگوں کے لئے باہمی گفتگو سے سزا تجویز کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔
ایک اور سکھ دودان بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب نے دہلی کے وزیر کے نام مراسلہ جاری کیا تھا کہ۔

”گورو جی کو تنگ نہ کیا جائے اور انہیں دکن آنے کے لئے کہا جائے۔“

ایک اور سکھ دودان بابو تیا سنگھ جی بیاں کرتے ہیں کہ۔

”مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس ظفر نامہ کے پڑھنے کے بعد بادشاہ نے..... پنجاب کے تمام حکام کے نام شاہی فرمان جاری کیا کہ آئندہ گورو جی پر کوئی چڑھائی نہ کی جائے۔ اور گورو جی کی طرف بھی گزند بردار کے ذریعہ شاہی مراسلہ ارسال کیا کہ جس میں مرقوم تھا کہ آپ جہاں چاہیں رہ سکتے ہیں۔ اور ان حاکموں کو جنہوں نے اس کے عہد کو توڑ کر گورو جی کے خلاف فوج کشی کی تھی مناسب سزا دینے کا بھی ذکر تھا۔“

ایک اور سکھ دودان رقمطراز ہیں کہ۔

”اس ظفر نامہ کو پڑھ کر اورنگ زیب کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اُسے گورو جی پر کی گئی سختی کا افسوس ہوا۔ اس نے بھائی دیان سنگھ اور بھائی دھرم سنگھ جی کو دجو گورو صاحب

کی یہ چٹھی لے کر اس کے پاس گئے تھے، صبح سلامت اور بغیر
 کسی روک ٹوک کے دپس جاتے کا پروانہ دے دیا اس کے
 علاوہ اس نے اپنے اہلکاروں اور تاجداروں کے نام
 حکم جاری کیا کہ گورو جی سے کوئی لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے
 اور نہ انہیں کوئی تکلیف دی جائے۔ اور وہ جہاں چاہیں ہیں
 اور انہیں آنے جانے کی بھی پوری آزادی، دی جائے۔

اس کے بعد گورو گوبند سنگھ جی اور نگ زیب سے ملنے کے لئے دکن کی طرف روانہ
 ہو گئے۔ ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ حضرت اورنگ زیب کا وصال ہو گیا۔ اور گورو
 صاحب اس سے ملاقات نہ کر سکے۔

گورو گوبند سنگھ جی کے چھوٹے بچوں کا قتل

موجودہ زمانے کے اکثر سکھ بغیر کسی پختہ تاریخی ثبوت کے اورنگ زیب کے عہد کا
 ایک المناک سانحہ، گورو گوبند سنگھ جی کے دو چھوٹے بچوں، صاحبزادہ زور اور سنگھ
 اور صاحبزادہ فتح سنگھ کا قتل بھی بیان کرتے ہیں گو اس سانحہ سے متعلق سکھوں کی
 بیان کردہ روایات کی رو سے بھی حضرت محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیرؒ کا اس
 سانحہ سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا تاہم یہ حقیقت ہے کہ تمام سکھ اس کی بناء پر
 اورنگ زیب جیسے روشن ضمیر اور دلاک صفت بادشاہ کو پانی پی کر کوستے رہتے
 ہیں کہ اس کے عہد میں گورو صاحب موصوف کے دو چھوٹے شیر خوار اور محصوم
 بچے سو بیدار سر نہند کے حکم سے زندہ دیوار میں چنوا دئے گئے تھے۔ اور ختم کر دئے
 گئے تھے ان کا تصور یہ اور صرف یہ تھا کہ وہ گورو گوبند سنگھ کے بچے ہیں اور سلام
 قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس واقعہ کو مزید دردناک بنانے کے لئے عجیب

غریب باتیں بھی گھڑ لی گئی ہیں۔ اور یہاں تک لکھنے کی جرات کی ہے کہ۔
 ”چھوٹے صاحبزادے فتح سنگھ جی اور چھوٹے معصوم جو تھار
 سنگھ جی کو بنیادوں میں چن کر ختم کر دینے کی کہانی سن کر
 کہتا اور رنگ زیب بادشاہ بھی کانپ گیا تھا۔ اس کا دل ہل
 گیا تھا۔ جب اس نے یہ پاپ عبرت کیانی سنا تو وہ چارپائی
 پر بیٹھا اور اس بزرگ کو سنتے ہی اس کا دل لرز گیا۔ ... اور رنگ
 زیب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔“

حقیقت یہ ہے کہ گورو صاحب کے کسی صاحبزادے کو کسی بھی سامانے دیوار میں
 نہیں پٹا تھا یہ محض ایک فرضی افسانہ ہے اور اورنگ زیب کے آنسو جاری ہونے
 والی بات تو اور بھی من گھڑت ہے۔ بب گورو جی کے کسی بھی بیٹے کو اس قسم کی سزا نہیں
 دی گئی تو اورنگ زیب کا اس سانحہ کو سن کر آنسو بہانا تو بالکل بے معنی
 اور مضحکہ خیز ہے۔

جہاں تک پراسین سکھ کتب کا تعلق ہے ان سے کہیں بھی ثابت نہیں کہ صوبیدار سرہند

سکھ دوواؤں کا اس امر میں بھی شدید اختلاف ہے کہ سرہند میں کام آنے والے گورو
 جی کے بچوں کے کیا نام تھے۔ ’بھڑلے‘ ان کا نام زور اور سنگھ اور فتح سنگھ اور بعض نے جو جہا
 سنگھ اور فتح سنگھ بیان کئے ہیں۔ نیز بھائی دیر سنگھ جی نے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ۔
 ”یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جو تھار سنگھ اور زور اور سنگھ ایک ہی صاحبزادے
 کے دو نام ہیں۔ ایک نام ہے اور دوسرا لقب ہے۔“ گورو پر تاب سورج گرنٹھ
 سپادات ص ۴۸۸۔

سکھ رسالہ خالص پارلیمنٹ گزٹ دسمبر ۱۹۶۱ء

گورو گوبند سنگھ جی کے دو چھوٹے صاحبزادے زور آؤ سنگھ اور فتح سنگھ کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تھا۔ خود سکھوں میں بھی ایسے دو وہاں اور قضاور موجود ہیں جو اس روایت کی صحت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک گورو صاحب موصوف کے ان چھوٹے بچوں کے زندہ دیوار میں چنوائے جانے کی کوئی تاریخی سند نہیں۔ کیوں کہ پراچین سکھ لٹریچر میں اسکا کوئی ذکر نہیں جیسا کہ ایک سکھ: دوہان کا بیان ہے۔

”دیوار میں چنے جانے کا کوئی واقعہ گور پرتاب سورج گرنٹھ میں نہیں ہے۔ لیکن آج کل عام شہرت ہے۔“

گور پرتاب سورج گرنٹھ سکھ حکومت کے زمانہ کی تصنیف ہے۔ اس میں اس واقعہ کا درج نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ روایت ابھی مشہور نہیں ہوئی تھی۔ یعنی اس زمانہ کے سکھ اس بات کے قائل نہیں تھے کہ گورو صاحب کے دو چھوٹے بچے صاحبزادے زور آؤ سنگھ اور صاحبزادہ فتح سنگھ زندہ دیوار میں چنوا دیے گئے تھے۔ در نہ یہ نامکن تھا کہ بھائی سنتو کہ سنگھ ایسا سکھ بزرگ اور سورج اپنی مشہور وحروف تصنیف گور پرتاب سورج گرنٹھ اس سانچہ کا کوئی تذکرہ نہ کرتا۔ پس اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بھائی سنتو کہ سنگھ جی کے زمانہ تک کے سکھوں نے اس روایت کو نہیں اپنایا تھا۔ یاد ہے کہ بھائی سنتو کہ سنگھ جی کی تصنیف گور پرتاب سورج گرنٹھ ص ۱۹ بکری (۱۸۴۳ء) میں مکمل ہوئی تھی ص ۱۷

بھائی سنتو کہ سنگھ جی کی تصنیف گور پرتاب سورج گرنٹھ تک ہی محدود نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۸۳ بکری (۱۹۰۲ء) سے قبل کی کسی بھی سکھ کتاب یا گرنٹھ میں خواہ وہ

۱۷ جنم ساکھی بھائی بالا۔ ص ۶۵۹ ۱۷ مہان کوش۔ ص ۱۸۳۔ سکھ دیتاس دانش
 نویں گور پرتاب سورج گرنٹھ سپادت۔ ص

مستند ہے یا غیر مستند اس واقعہ کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا کہ صوبیدار سرسید گوردون بند سنگھ جی کے دو چھوٹے بچے زندہ دیوار میں چنوداڑے تھے۔ سکھ دو والوں کو بھی یہ تسلیم ہے کہ سب سے پہلے یہ روایت بھائی دیر سنگھ جی نے اپنی غیر معروف کتاب ”سنگھ ساگر“ قلمی میں بیان کی ہے۔ چنانچہ مشہور سکھ سکالر سردار تيجا سنگھ جی ایم۔ اے (پرنسپل، زقطر ازہیں کہ۔

”سنگھ ساگر“ میں بھائی دیر سنگھ ٹپالے والے نے ”سنگھ ساگر“ گرنٹھ لکھا جس میں مرقوم ہے کہ صاحب اجیت سنگھ چکوری میں شہید ہوئے اور فتح سنگھ اور زور اور سنگھ سرسید میں ناظم کے حکم سے بنیادوں میں چنواڑے گئے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پرنسپل تيجا سنگھ جی ایم اے ایسا مشہور و معروف و دو ان اور اسکا لرا اس امر کا معترف ہے کہ سنگھ ساگر جی ایم اے سے قبل کی کتب میں اس روایت کا کوئی ذکر نہیں کہ گوردون صاحب کے دو چھوٹے بچے اسلام قبول کرنے سے انکار کے جرم میں زندہ بنیادوں میں چنوداڑے گئے تھے۔ بھائی دیر سنگھ جی، مصنف ”سنگھ ساگر“ نے یہ روایت کہاں سے نقل کی ہے اس کا کوئی پتہ نہیں دیا گیا۔ اور حقیقت ہے کہ سکھ لٹریچر کی مشہور و معروف اور مقدس کتاب ”کسم گرنٹھ اور دوسری سکھ کتب، واراں بھائی گوندواں، گور سو بھا، گرنٹھ بھگت، رشناولی، مہا پرکاش، گور بلاس، پاتیشامی کٹس اور انباولی نامہ وغیرہ میں بھی اس روایت کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ پرنسپل تيجا سنگھ جی نے اس بارے میں یہ شہادت دی ہے کہ اس سانحہ کے قریب زمانہ کی کتب میں ان بچوں کے دیوار میں چنے جانے کا ذکر نہیں۔ البتہ۔

”بعد کی کتب میں بنیادوں میں چنے جانے کا ذکر ہے۔۔۔ اگر

وہ بچے قلعہ کی بنیادوں میں چنوائے جاتے تو چاہئے تھا کہ موجودہ

سنجی صاحب کا یادگاری استھان قلعہ کی کسی دیوار پر ہوتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ گوردو گو بند سنگھ جی کے چھوٹے صاحبزادوں کا سر ہند

میں زندہ بنیادوں میں چنایا جانا کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ سنہ ۱۸۸۳ء بمقام

میں سکھ کتب میں داخل کیا گیا۔ یعنی سب سے پہلے اسے بھائی دیر سنگھ جی نے اپنی تصنیف

”سنگھ ساگر“ میں جگہ دی۔ ان سے قبل کی کسی سکھ کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ حتیٰ

کہ گوردو گو بند سنگھ جی نے خود بھی اس کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ کہ ان کے دو چھوٹے شیر خوار بچے

صوبہ سرحد کے حکم سے زندہ بنیادوں میں چنوادے گئے تھے۔

۔ سکھوں میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس واقعہ کی صحت تسلیم کرنے کے

لئے تیار نہیں۔ ان کے نزدیک یہ نامکن بات ہے۔ چنانچہ ایک سکھ ودوان نے موجودہ

زمانہ کی نئی روشنی کے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذکر میں بیان کیا ہے۔ ان کے خیال میں

یہ بات نہیں آسکتی کہ گوردو صاحب کے چھوٹے بچوں نے خود کو دیوار میں چنوادیا تھا۔

جیسا کہ مرقوم ہے کہ۔

”یہ بات کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے کہ چھوٹی سی معصوم عمر کے بچے

زندہ کھڑے ہو کر خود کو بنیادوں میں چنوادیں گے۔

جو لوگ اس فرضی من گھڑت قصہ کو ایک تاریخی واقعہ کا درجہ دیتے ہیں۔ اور اس کی

بنیاد صوبہ سرحد اور اورنگ زیب بادشاہ کو پانی پی کر کوستے ہیں انہوں نے اس

واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے متضاد باتیں جمع کر دی ہیں۔

ان کی موجودگی میں ہر غیر جانب دار محقق یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ یہ قصہ سرے سے غلط، من گھڑت اور بے بنیاد افسانہ، اس کے زیادہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اسے ان تعدیوں و ظلموں پر پردہ ڈالنے کے لئے بعد کو وضع کیا گیا ہے۔ جو سکھوں نے بندہ بیراگی اور سکھوں کے زمانہ میں مسلمانوں پر کئے تھے۔

سکھ دوانوں کی متضاد اور مضحکہ خیز باتیں

گورو گوبند سنگو جی کے چھوٹے بچوں کے بارے میں جانتے کی حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے سکھ نصیحتی کی ورق گردانی کی جائے اور سکھ دوانوں کے بیانات کا جائزہ لیا جائے تو اس سلسلہ میں بہت سی متضاد اور مضحکہ خیز باتیں سامنے آتی ہیں چنانچہ چند باتیں نمونہ کے طور پر ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

گورو صاحب کے بچوں سے ایک سکھ دوان بیان کرتے ہیں کہ جب گورو صاحب کے متعلق قاضی کا فتویٰ بچے صوبہ سرہند کے دربار میں پیش ہوئے تو قاضی صاحب نے ان کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ۔

”ایک دیوار میں ان دونوں کو دھیرے دھیرے چننے کا حکم دیا جائے۔۔۔۔۔۔ اگر انہوں نے اپنی بد نصیبی سے دیوار کے اوپر جانے سے بھی (اسلام قبول کرنا) نہ مانا تو شرع محمدی کی رو سے مارنا تو ان کا لازمی ہے۔“

ایک اور سکھ دوان کا بیان ہے کہ قاضی نے ان بچوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ۔
”دھندھاں۔ قاضی جی فتویٰ لگا دو!“

”قاضی۔ زندہ دیوار میں چنوا دو!“

ایک اور صاحب رقم طراز ہیں کہ۔

”قاضی نے فتویٰ دیا کہ انہیں بنیادوں میں چنوا دیا جائے۔“

اس کے برعکس سکھوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں کہ۔

”قاضی سے کہا گیا کہ وہ فتویٰ دیں۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ

قرآن شریف میں معصوموں کو سزا دینا مرقوم نہیں ہے۔ تب

نواب نے کہا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔“

یعنی:- ”شرع تو یہ کہتی ہے کہ معصوم بچوں کو کسی قسم کا ڈکھ نہ دیا جائے

اور نہ مارا جائے۔“

ایک اور سکھ ودوان رقم طراز ہیں کہ

”گورد صاحب کے چھوٹے بچوں کو قاضی نے فتویٰ دے کر

برسی کر دیا تھا۔“

ایک اور سکھ ودوان نے اس بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ۔

”قاضی نے قرآن شریف کی آیت کا حوالہ دے کر دزیر خاں کو خبردار

کیا کہ کسی بے گناہ معصوم پر تلوار کا وار کرنا اسلامی شریعت کے

خلاف ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا اسے دوزخ کی آگ میں

جلتا ہو گا۔“

۱۔ مارے صاحبزادے۔ ص ۱۰، ۱۱ کالی پتر کا جاندھر ۲۲ دسمبر ۱۹۵۹ء ۱۲ کالی پتر کا

جاندھر ۲۲ دسمبر ۱۹۵۹ء ۱۳ کالی پتر کا جاندھر ۱۹۵۹ء ۱۴ رسالہ سنت سیاہی

امرتسر۔ جون ۱۹۵۹ء ۱۵ رسالہ خالصہ پارلیمنٹ گزٹ ۱۹۵۹ء

ان ہوجات سے ظاہر ہے کہ سکھوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں کہ جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قاضی نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ شریعت اسلامیہ کی رو سے گورو گوہند سنگھ جی کے چھوٹے بچوں کو سزا دیا جانا سزا سزا جائز ہے صوبیدار مسٹر نے انہیں بری کر دیا تھا۔

لوہیت قتل میں اختلاف جن سکھ مصنفین اور مورخین نے گورو صاحب کے ان دو چھوٹے بچوں کے سرسند میں مارے جانے کا الزام اس وقت کی مسلم حکومت پر لگایا ہے انہوں نے ان کے مارے جانے کے واقعات عجیب غریب نگ میں نقل کئے ہیں چنانچہ گورو گوہند سنگھ جی کے ہم عصر لکھتے ہیں کہ ”جمو جیت ہی پر لوک ہرجائے“^{۱۴۰}

یعنی لڑتے ہوئے اور مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا۔ بعض کے بیان کے مطابق انہیں پہلے سرسند میں دیوار میں چنوا دیا گیا تھا اور پھر ذبح کر دیا گیا تھا۔ ایک صاحب کا بیان ہے کہ ان کے سر قتل ہونے سے قبل ہی تن سے جدا ہو گئے تھے۔ ایک اور صاحب رقمطراز ہیں کہ۔

”پہلے ان کے ہاتھ بارود سے اڑا دیے گئے۔ پھر انہیں زندہ

دیوار میں چنوا دیا گیا۔ مگر جب جان نہ نکلی تو انہیں قتل

کر وا دیا گیا۔“

اسی طرح ایک صاحب کا بیان ہے کہ گورو جی کے ان بچوں کو ان کی دادی کے ساتھ ایک اج میں قید کر دیا گیا، اور تین دن رات انہیں بہت تکالیف دی گئیں

۱۴۰ گورو سو بھاگرتھ۔ ص ۱۵۸ اخبار خاندانہ ساچاراں ۱۹۲۲ء ۱۴۱ رسالہ پنجابی دنیا اکتوبر ۱۹۵۶ء

۱۴۲ کس گورو دجوت پر کاش۔ ص ۶۵۸ گورو دارے درشن۔ ص ۷۵۹۔

اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، اس کے بعد انہیں دیوار میں زندہ چنے کا حکم دیا گیا۔ اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ جب وہ کسی طرح بھی مسلمان بننے کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہیں قتل کر دیا گیا اور ان کے سر، صوبیدار سرہند کے روبرو پیش کئے گئے۔ اس کے برعکس ایک صاحب کا یہ بیان ہے کہ پہلے ان بچوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور بعد کو ان کی لاشیں قلعہ کی بنیلوں میں چن دی گئیں تھیں۔ ایک سکھ و دو ان تحریر فرماتے ہیں کہ صوبیدار سرہند نے ان بچوں کو دیوار میں چنے کا حکم دیا تھا۔ اور ان کے سر دیواروں پر لٹکا دیئے گئے تھے۔ تاکہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ گورد صاحب کے بچوں کا یہ حشر ہوا ہے۔ گیارہ فی شیشنگھ جی کا بیان ہے کہ گورد صاحب کے ان بچوں کو دیوار میں زندہ چنوا دیا گیا تھا۔ اور جب دیوار ان کے سروں سے اوپر تک پہنچ گئی تو دیوار گر کر ان کی لاشوں کو نکال لیا گیا تھا۔ لیکن اس کے برعکس گیارہ فی شیشنگھ جی یہ بیان کرتے ہیں کہ گورد صاحب کے ان بچوں کو دیوار میں زندہ چنایا گیا تھا۔ اور دیوار خود بخود پھٹ گئی تھی اور بچے بیہوشی کی حالت میں نکل نکلے گئے تھے۔ جنہیں دوائی و غیرہ دے کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ اور پھر پانچ دن کے بعد انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ ایک صاحب قنبرا میں کہ ان دنوں سرہند کے قلعہ کی تعمیر ہو رہی تھی صوبیدار سرہند نے حکم دیا کہ ان بچوں کو قلعہ کی بنیاد میں چنوا دیا جائے۔ اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ آندھی سے دیوار گر پڑی اور وہ دونوں لاشیں باہر آ گئیں۔ یہی صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب گورد کو بند سنگھ جی کی والدہ ماجدہ نے ان بچوں کے مارے جانے کی خبر سنی تو انہیں گورد کو بند سنگھ جی کا شراب

۱۔ گوردوارہ کشن۔ ص ۵۹، ۲۔ گوردوارہ سنگرہ۔ ص ۱۸۹، ۳۔ کلید صولاس۔ ص ۳۸، ۴۔ دھرم دا چتر۔ ص ۳۲۷، ۵۔ دیگ تیغ والک۔ ص ۴۸، ۶۔ پنچہ پرکاش۔ پاپہ ٹاپ۔ نو اس۔ ص ۲۴، ۷۔ سری دیش چتکار۔ ص ۲۹۱۔

یاد آگیا۔ اور انہوں نے کہا کہ وہ شراب پورا ہو گیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ گورو صاحب کمان بچوں کی موت ان کے اپنے شراب کا ہی نتیجہ تھی۔

ایک سکھ ودوان نے اس سلسلہ میں یہ بیان کیا ہے کہ جب گورو گوبند سنگھ جی نے انند پور کا قلعہ خالی کر دیا تھا۔ اس وقت پہاڑی راجاؤں نے ان پر حملہ کر دیا تھا۔ اور اس حملہ میں ان کے ہزاروں سکھ اور بچے وغیرہ مارے گئے تھے۔ جیسا کہ مرقوم ہے کہ۔

”قلعہ سے نکلنے ہی ان بے سجن لوگوں نے گورو صاحب پر حملہ

کر دیا اس حملہ میں آپ کے ہزاروں سکھ ماما اور بچے شہید

ہو گئے۔ اور تمام جاہ و جلال جا تا رہا۔ اور آپ بہت مصیبتوں

کے منہ میں پھنس گئے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ گورو صاحب کے بچے سر ہند میں نہیں مارے گئے تھے بلکہ

وہ اس حملہ میں ہزاروں سکھوں کے ساتھ کام آئے تھے۔ جو پہاڑی راجاؤں نے

ان کے انند پور خالی کرنے کے موقع پر کیا تھا۔

گورو صاحب کے بچوں کے مارے جانے کی | سکھ مورخین کا اس بارے میں بہت اختلاف

خبر گورو صاحب تک کس نے پہونچائی ہے کہ سر ہند کے اس واقعہ کی خبر گورو گوبند

سنگھ جی تک کس نے پہونچائی تھی۔ چنانچہ بعض نے تو صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے

کہ ایک سکھ نے گورو صاحب کے پاس آکر بتایا تھا کہ سر ہند میں ان کے دو بچے مارے

گئے ہیں۔“

لیکن بعض کے نزدیک یہ خبر سننے والا فوراً نام کا ایک شخص تھا اس نے

۱۰ سری اویس جتکار۔ ص ۹۱ ۱۱ رسالہ سنت سپاہی امرتسر۔ اپریل ۱۹۵۶ء

۱۲ پراچین ختمہ پرکاش۔ ص ۹۷۔

گورو صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سرہند میں ان کے دو بچوں کے کھانا کھاتہ دیا تھا۔
 بعض کا بیان ہے کہ گورو جی نے خود مای نام کے ایک شخص کو اپنے بچوں کے حالات معلوم
 کرنے کے لئے بھیج دیا تھا اور اس نے تمام حالات معلوم کر کے گورو جی کو اس سانچہ کی خبر دی
 تھی کہ ان کے دو چھوٹے بچے سرہند میں کام آئے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک صاحب کا یہ بیان ہے کہ گورو صاحب نے "رٹے کلبہ" کے رعبہ
 اپنے صاحبزادوں کی خبر سنکوالی تھی۔

یہ متغلوں و مختلف باتیں ہیں اس فرضی قصہ کی تعلیظ کر رہی ہیں۔

سرہند میں کام آنے والے گورو جی کے بچے

موجودہ زمانے کے اکثر سکھ و دونوں کے نزدیک سرہند میں کام آنے والے گورو
 گوہند سنگھ جی کے بچوں کے نام زور اور سنگھ اور فتح سنگھ تھے لیکن جب ہم پراچین سکھ
 کتب کی ورق گردانی کرتے ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ گورو جی کا بچہ زور
 اور سنگھ سرہند میں کام نہیں آیا تھا۔ بلکہ وہ چکورد میں آپ کے ساتھ تھا اور وہاں
 ایک سادھو کے پاس میں اپنی جان بچا کر نکل گیا تھا۔ چنانچہ گورو صاحب موصوف
 کے درباری شاعر سنیپت جی نے زور اور سنگھ کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ۔
 پٹک پٹک کے ٹٹک کو ٹٹکس گوسو پاد ۶ زور اور سنگھ زور کر را کہ یو کرار

۱۔ گورو نبادلی - ص ۱۳۵ - ۲۔ توارخ گورو خالصہ ص ۱۲۸ -

۳۔ سکھ پنہ کتھے توں کتھے - ص ۱۹ ۴۔ ہان کوشس - ص ۴۰۲ - جیون کتھا

گورو گوہند سنگھ جی ص ۳۳۲ - سکھ اتھاس - ص ۲۲۴ - گورو مت لیکچر ص ۲۰۲

بہتے اتھاسک ص ۵۵ گورو بھاگرتھ ادھیائے ۱۲ -

یعنی زور اور سنگھ ٹڑتے ٹڑتے جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی۔ ایک سکھ دودان رقمطراز ہیں کہ۔

”گورو سوبھا کے مصنف نے زور اور سنگھ جی کو چکورو صاحب کی لڑائی میں ٹڑتے ہوئے صحیح سلامت باہر نکال دیا ہے۔“

اور بھی متعدد سکھ دودانوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ سیناپت جی نے صاحبزادے زور اور سنگھ جی کا چکورو کی لڑائی میں شامل ہونا اور پھر اپنی جان بچا کر نکل جانا بیان کیا ہے۔ سکھ شریچر سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب گورو جی دکن کی طرف جارہے تھے تو راستہ میں صاحبزادے زور اور سنگھ جی ان سے آئے تھے۔ اور گورو صاحب نے اپنے لڑکے کے اس طرح ملنے پر بہت خوشی منائی تھی۔

اور سکھ دودانوں نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ گورو صاحب کے صاحبزادے زور اور سنگھ انہیں دکن جاتے ہوئے راستہ میں ملے تھے۔ اور گورو جی نے اس کے اس طرح ملنے پر بہت خوشی منائی تھی۔

اس کے بعد گورو صاحب کا یہ بچہ ان کے ساتھ ہی رہا۔ اور چٹوڑ میں تاریخی قلعہ دیکھنے کے لئے گیا۔ وہاں مسلمان پہرہ دار سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ اور اس جھگڑے میں مع اپنے ساتھیوں کے مارا گیا تھا۔

۱۷ رسالہ گوربت پرکاش امرتسر جنوری ۱۹۳۳ء جہم ساکھی گورو گوہند سنگھ جی ص ۷۳، گورو پرتاب سورج گرنتمہ سپادت۔ ص ۸۔ و رسالہ کول سنسار امرتسر جنوری ۱۹۳۷ء گورو پرتاب ص ۱۱۴۔ امرنامہ ص ۱۰۔ رسالہ سنت سپاہی۔ امرتسر جنوری ۱۹۵۴ء گورو بلاس پاتشاہی دس ادھیائے ۱، انگ ۱۹-۱۸-۱۷۔ گورو پرتابیاں ص ۱۱۴۔ امرنامہ ص ۱۰۔ رسالہ سنت سپاہی امرتسر جنوری ۱۹۵۴ء تاریخ مخم شہابی منقول از ماخذ تاریخ سکھال ص ۷۷-۸۱

اس صورت میں ہمارے ان سکھ دوستوں کو جو زور آور سنگھ جی کا صوبیدار سرسند کے حکم سے زندہ دیوار میں چٹا جانا یا قتل کیا جانا تسلیم کرتے ہیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ اگر وہ فی الحقیقت سرسند میں کام آیا تھا اور اس کا یہ قتل اور نگ زیب یا اس کے کسی اہلکار کے ظلم کا نتیجہ تھا تو اس صورت میں وہ گوردو گوبند سنگھ جی کے دکن جاتے ہوئے راستہ میں کہاں سے آگیا تھا۔ گوردو صاحب کا یہ سفر خود سکھ دودانوں کو تسلیم ہے کہ سرسند کے سانحہ کے بعد کلاہے۔

سرسند میں گوردو جی کے کتنے بچے کام آئے

سکھ مصنفین اور مورخین عام طور پر یہی بیان کرتے ہیں کہ سرسند میں گوردو جی کے دو بچے مارے گئے تھے۔ لیکن جہاں تک حقیقت اور تاریخ کا تعلق ہے گوردو صاحب کے دو بچوں کا سرسند میں مارا جانا ثابت نہیں ہے بلکہ ان کا صرف ایک ہی بچہ اپنی دادی کے ساتھ سرسند میں لایا گیا تھا۔ ایک سکھ دودان کا بیان ہے کہ۔

”سرسند کے فوجدار نواب وزیر خاں کی ایک رپورٹ جو اس نے اورنگ زیب کی خدمت میں ارسال کی تھی بڑی آماجی کے ساتھ صرف ایک بچہ فتح سنگھ جی کا سرسند میں پہنچا ثابت کرتی ہے۔“
ایک اور مقام پر مرقوم ہے کہ۔

”سرسند کے فوجدار وزیر خاں کی طرف سے کی گئی رپورٹ سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سرسند میں صرف ایک ہی صاحبزادہ بابا فتح سنگھ شہید ہوا تھا۔“

سکہ دونوں کی مندرجہ بالا تحریرات میں سرمنہ کے فوجدار وزیر خاں کی جس رپورٹ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

• نوشتہ شریف شمل بر فرد و آحدن گو بنڈناک پرست دولزده کردی

سرند فرمادن آن اعتقاد جمیعت ہفت سوا با مصالح توپ

خانہ و محصور شدن آن مقہور در حویلی زمیندار موضع چکود و بقل

رسیدن دو سپرد دیگر فغانے او دستگیر شدن یک سپردار ش

و دیگر مطالب رسید چون عرضداشت آن عالیشان بریں

مقدات فروغ اندوز نظر عالم افروز گردیدہ بود و رخصت

حوال پناہ مرزا یار علی بیگ مفصل عرض رسانیدہ بود مضمون آن

نوشتہ بعرض اشرف رسانید^۱۔

سرمنہ کے فوجدار کی یہ رپورٹ واضح ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ گوردو گو بنڈ سنگھ جی

کا ایک بچہ سرمنہ میں لایا گیا تھا۔

سکھوں کی ایک مشہور و معروف کتاب سوسا کلی ہے مشہور سکھ مورخ بھائی

سنتو کہ سنگھ جی نے گوردو پرتاب سورج گرنتم کا وہ حصہ جو گوردو گو بنڈ سنگھ جی کے حالات

پر مشتمل ہے اسی سوسا کلی کی بنیاد پر ہی تیار کیا ہے^۲۔ نیز نامہ عاری فرقہ کے لوگ تواس

کے بہت عقیدتمند ہیں اس سے بھی یہی واضح ہے کہ سرمنہ میں گوردو صاحب کا ایک ہی

بچہ کام آیا تھا۔ جیسا کہ مرقوم ہے کہ۔

۱۔ احکام عالمگیر کا قلمی نسخہ از ماخذ تاریخ سکھوں ص ۴۴۔ ۲۔ ایک دواں کا بیان ہے کہ۔

• بھائی سنتو کہ سنگھ جی نے بھی دیم گوردو کے متعدد واقعات سوسا کلی میں سے لے کر گوردو پرتاب

سورج گرنتم میں درج کئے^۳۔ رسالہ منت میا ہی دسمبر ۱۹۶۲ء

”گورو جی کا ایک بچہ اپنی دادی کے ساتھ سرمنہ میں مرا تھا۔“ ”گورست موآ“ واحد کا
 صیغہ ہے۔ جس سے ایک سے زائد بچے مراد نہیں لئے جاسکتے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ
 سرمنہ میں مرنے والا بچہ دیوار میں چنوائے جانے سے یا قتل کئے جانے سے نہیں مرا تھا بلکہ اسکی
 موت قدرتی طور پر واقع ہوئی تھی۔

سکھوں میں ایسے دودان اسکالر موجود ہیں جو اس امر کے معترف ہیں کہ تاریخ
 سے یہ ہی ثابت ہے کہ گورو جی کا ایک ہی بچہ سرمنہ میں لایا گیا تھا۔ جیسا کہ ایک
 صاحب کا بیان ہے کہ۔

”ایک قابل احترام محنتی ریسرچ سکالر (محقق دودان) نے آج
 سے کچھ عرصہ قبل شرومنی گوردوارہ پر بندھک کیٹی کی طرف سے شائع
 ہونے والے ٹریکیٹ میں ایک مضمون شائع کرایا تھا اس میں
 ان کی یہ تحقیق شامل تھی کہ فتح گرلم صاحب (سرمنہ) کے مقام
 پر صرف ایک صاحبزادے کو شہید کیا گیا تھا۔“

جس قابل احترام ہستی اور محنتی محقق کا ذکر مندرجہ بالا اقتباس میں کیا گیا ہے وہ
 بھائی رندھیر سنگھ جی سکھ ہسٹری ریسرچ سکالر شرومنی گوردوارہ پر بندھک کیٹی ہیں۔ اور
 ان کا اس بارے میں یہ بیان ہے کہ۔

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمنہ میں صرف بابا فتح سنگھ جی
 شہید ہوئے تھے۔“

ایک اور مقام پر بھائی صاحب موصوف نے بیان کیا ہے کہ۔

لے سو ساکھی، ساکھی ۵۶ لے گورست پرکاش امرتسرگست ۱۹۶۶ء ۳۷ اتھاسک پتر
 جلد ۱ نمبر ۲۔ ص ۲، حاشیہ۔ گوردوانیاں ص ۱۱۸ حاشیہ۔

بھائی رندھیر سنگھ جی ایک مشہور ریسرچ اسکالر ہیں آپ نے سرہند میں گوردی کے ایک بچے کے مرنے کی توجیہ بیان کی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ سرہند میں جو گوردوارہ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر چلا آرہا ہے۔ اس کا نام شروع ہی سے فتح گڑھ صاحب ہے اور یہ گوردو صاحب کے چھوٹے بچے فتح سنگھ کے نام پر ہی تعمیر کیا ہے۔ اور اس کی تعمیر بابا بندہ کے زمانہ میں سن ۱۸۷۱ء میں ہوئی تھی۔

ایک اور سکھ ودوان کے نزدیک گوردوارہ فتح گڑھ صاحب سن ۱۸۷۱ء بکرمی (سن ۱۹۶۳ء) میں بنایا گیا تھا۔

الغرض پراپین سکھ بزرگوں کا سرہند میں گوردو صاحب کے چھوٹے بچے فتح سنگھ کے نام پر گوردوارہ فتح گڑھ صاحب تعمیر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی گوردو صاحب کا ایک ہی بچہ سرہند میں کام آیا تھا۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کہ وہ اس طرح یادگار میں صرف ایک بچہ کا نام شامل کرتے۔ سرہند میں تاریخی گوردوارہ تعمیر کرنے والے سکھوں کے بارے میں یہ کون باور کر سکتا ہے کہ انہیں گوردو صاحب کے دوسرے بچے سے کوئی عداوت تھی یا انہیں فتح سنگھ جی سے ہی کوئی خاص لگاؤ یا محبت تھی۔ جبکی وجہ سے انہوں نے اسی کے نام پر یادگار تعمیر کی اور دوسرے بچے کا نام بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔

عالمگیر کی مذہبی رواداری

ہندوؤں کے ساتھ

از نصیب اختر ایم اے

یہاں تو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری مسلمانوں کا طرہ اقیانوس ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں اور مسلمان فرماں رواؤں نے شریعت کا اتنا پاس دلی نظر رکھا کہ گویا شریعت اسلامیہ غیر مسلموں اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہی کے لئے آئی ہے۔ تاریخ اسلام کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جو اس اعتبار سے ممتاز نہ رہا ہو۔ لیکن شاہانِ ہند کے دور میں خصوصاً اکبر کے عہد سے غیر مسلموں کے ساتھ مس رواداری کا مظاہرہ کیا گیا اس میں اندازِ رواداری کی جھلک کچھ حد سے سوا ملتی ہے ان کے طرزِ جہان بینی میں حسن سلوک اس حد تک بڑھا کہ حسن بلا خیر بن گیا نتیجتاً بعد کے مسلمان فرماں رواؤں کے لئے جرأتِ آزمانکنا پائے تھا۔ اکبر نے جس سپہر دگی اور عقیدہ مندی کے ساتھ خود کو اپنے ہندو پرستاروں کے سامنے پیش کیا اس نے ظاہر تھا کہ ایک دن نوبت پرستاروں کی جیا کیوں دور دست درازیوں تک پہنچے گی۔ چنانچہ جہانگیر کے دور میں ان کی بلند ہستی ضعیف ہونے کی تعمیر نو تک پہنچی ابو الفضل کے قتل کے بعد عہدِ جہانگیری میں اسی مسلمان ذی مرتبہ ہستی کے قاتل نے اسی کی دولت سے بہرہ اٹھا کر خیر شاہ متھرا میں ایک عظیم الشان تھانہ کی تعمیر و تزئین کی۔ شاہجہاں اگرچہ اکبر و جہانگیر کے مقابلہ میں اسلام سے قریب تر تھا مگر ہندوؤں کی جرأتوں کو جو تحریک مل چکی تھی، اسے آگے ہی بڑھنا تھا

اوردہ اب بھی بے خوف و خطر بڑھی۔ اس وقت تک تو پتھر کے اصنام بتخانوں میں نصب ہوتے تھے مگر اب جیتے جاتے اجسام یعنی تازک اندام عصمت آباد مسلمان کشمیزائیں ہندوؤں کے سیاہ خانی میں مجبوس ہونے لگیں۔ مسجدوں کے میناروں سے ناقوسوں کی آوازیں بکنے لگیں اور محن حرم نامحرموں کے مسکن بن گئے۔ شاہجہاں کے درباری مورخ عبدالحمید لاہوری کے الفاظ اس کے شاہد ہیں۔

”برخے از کفار تا بکار حرانرو آماے مومنہ در تصرف دارند

و چندے از میناں مساجد بہ تعدی در عمارات خود آوردہ“

شاہجہاں نے سندھوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی ان جراتوں کو روکا اور بلاشبہ تاویس کامیاب عبدالحمید می واقعو کے ذیل میں لکھا ہے۔

”تا بعد از ثبوت نساہ اسلام را از تصرف کفار بر آورد و مساجد و عمارات

آں ملائین جدا سازد۔ اذ مطابق حکم بہ عمل آوردہ.... ہر جا کہ

مسجد و زیر عمارت بنود در آمدہ بعد از تحقیق آں را انرا از منودہ

قدرے از انجا بفریق جبرمانہ گرفتہ بدستور سابق مسجد

ساخت۔“

نہ صرف یہ بلکہ بنارس کے حدید تعمیر شدہ بت خانے بھی گروا گئے۔ لیکن شاہجہاں کی

ترتیب ہندوؤں کی نظر میں ایک انداز محبوبانہ سے زیادہ نہ تھی۔ اورنگ زیب کے نام ایک دہلی

آمینر خط میں شیواجی جیسا بدترین مغل دشمن اسی شان محبوبی کا قصیدہ پڑھا ہے۔ لکھا ہے

”شاہجہاں نے اس دنیا کو ۳۶ سال اپنے سایہ عاطفت سے

لے شہلی اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر“ ص ۶۰ بحوالہ شاہجہاں نامہ جلد دوم ص ۵۷۔ شہ شہلی

ص ۶۰ بحوالہ شاہجہاں نامہ ص ۵۸۔ ۵۷۔ شہ شہلی ص ۶۱

نوازا اور بقائے دوام حاصل کیا..... وہ جو اچھے نام سے یاد
کیا جاتا ہے دوستِ دوام حاصل کرتا ہے۔ کیوں کہ اس کی موت
کے بعد اس کے اچھے کاموں کی یاد اس کے نام کو ہمیشہ
زندہ رکھتی ہے۔

لیکن شاہجہاں کے جانشین اورنگ زیبؒ جب ہندوؤں کی جرأت بیجا پر اسی قسم کی
تادیب و تنبیہ سے کام لیا تو بے محابا بدنام ہوا۔ حالانکہ وہ سابقین کے مقابلہ میں محض سیاسی
روادار نہ تھا۔ بلکہ خالصاً اور فطرتاً بھی اس حد تک رواداری برتتا تھا کہ اس کی سادہ لوحی
پر حیرت ہوتی ہے اس کی مثالیں آئندہ سطحوں میں واضح طور پر سامنے آئیں گی۔ مگر افسوس
دیہی تعصب و تنگ نظر بھائیگا۔ وہی مسلح مجرم قرار پایا جس نے نہ صرف اپنی ذات، اپنے
مذہب اور ہم مذہبوں کی حالتِ دیگرگوں کو سنبھالا۔ بلکہ دوسرے مذاہب کے ماننے
والوں کو جو مذہب سے ہٹ کر بے راہ روی اور بد اعمالیوں کے مرتکب ہو رہے تھے
عام انسانی اخلاقیات کے تحت انسانی سلج پر لانے کا کوشاں ہوا۔

دراصل اورنگ زیبؒ اچھے متشرع فرمانروا کی مذہبی ناداری کو جس سیارے جانچا اور پرکھا وہ سابقین
زیادہ اس کے حریف سلطنت داراشکوہ کا۔ متضاد کردار تھا جس کے حسن کرشمہ ساز اپنشد کو قرآن
اور قرآن کو اپنشد بنادیا تھا جس کے چند روزہ دورِ اختیار میں جنوں کا نام خرد ٹکڑیا خرد کا جنوں
جس کا جنوں اس حد تک بڑھا کہ رام چندر ثانی بننے کے خواب دکھائی دینے لگے۔ جس کی صحبتیں

۱۔ سرکارِ مہلد سوم نمبر ۴۷۔ اس خط کے راقم کے متعلق شبہ ہے۔ سرکار اے شیواجی کا قرار
دیتے ہیں۔ راج سنگھ، جسوت سنگھ یا شہجوجی کے راقم بننے کا بھی شبہ ہے تاہم انہیں سے ہر ایک مسلمانوں کا سخت
ترین دشمن تھا۔ ۲۔ مقالہ بعنوان - Religious Issue in Mughal was Success -

۵۸-۱۶۵۶ء۔ از ڈاکٹر افتخار احمد غوری جو علیہ سٹری کاغذ نس میں پڑھا گیا۔

برہمنوں اور گوسائیتوں سے گرم رہتی تھیں۔ جس کے مشرب میں دلچسپا پانی بھرا ہوا ہے
 مسکوئیز تھے جس کے ہاتھ میں بطور نشانی ایک ایسی انگشتی بھی تھی جس پر نجاست ہندی
 ”پر دھو“ کند تھا۔ اسی کے طہسم ہوشربا نے جانشینی کی جنگ کے شعلوں کو تیز سے تیز
 کر دیا۔ اگرچہ اس جنگ کا فیصلہ اورنگ زیب کے حق میں ہوا۔ بظاہر آگ دب گئی مگر بعض
 ہندوؤں کے سینے سلگتے رہے، چنگاریاں بھتی رہیں۔ اور اورنگ زیب کے واسن کو اغدار
 بنانے کی کوشش میں ہمیشہ مصروف رہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاج و تخت حاصل کرنا شہزادہ کا مقصد اولین تھا مگر اس
 مقصد کے حصول کے لئے ہتھیاروں کی جھنکار کے ساتھ ساتھ دونوں نظریات ہوذاہب اور
 دو قومیں نکرائیں، ایک طرف ہند کے تمام نامور ہندو سردار تھے اور دوسری جانب مرث
 مسلمان شہسوار۔ اور ان میں سے بھی بعض شاہجہاں کے پاس و لحاظ کی وجہ سے بلا اعلان
 اورنگ زیب کا ساتھ نہ دے سکے۔ مگر شائستہ خاں جیسے امراء یہ خلوص نیت، لیکن پس پردہ
 اورنگ زیب کے ہی خواہتے۔ دوسری طرف راجپوتوں اور کرن جیسے اورنگ زیب کے ساتھ
 بیجا پور کی اہم مہم پر تھے جو داراشکوہ کے اشارہ پر بلا اجازت اور مہم کی اہمیت کو پس پشت
 ڈال کر مرکز کی طرف واپس چلے گئے۔ مرکز میں اس نظریاتی اجتماع کے پیش نظر اورنگ زیب
 کو بھی اپنے ہمراہیوں میں سے مسلمان امراء کو مذہب کی بنیادوں پر ہی گناہ پڑا۔ بیس مسلمان
 کرازار واپسی کے حکم کو نظر انداز کر کے اورنگ زیب کی درخواست پر اس کے ساتھ
 ہو گئے۔

پھر اورنگ زیب کی پیش قدمی کو رد کرنے کے لئے راجگان ہند میں گھبراہٹ اور دہ ہمارے

سہ خانی خاں۔ ص ۲۴ اردو ترجمہ سہ ڈاکٹر غازی بھالہ عاقل خاں رازی ص ۴۴ سہ حبث
 نمبر ۲ سہ ڈاکٹر غازی بھالہ تاریخ شاہجہاں از محمد صادق (ایک نادر نسخہ)

جنونت سنگہ کا انتخاب کیا گیا۔ جو بقول عاقل خاں رازی۔

”بہ اشارہ شہزادہ گلان (داراشکوہ) یہ ایذا آزار ایں
خیر خواہ مامور ہو، بسندہ قببانی، چہل و جوانی و نادانی سنگہ
گشت بقدم ممانعت پیش آمد۔“

قاسم خاں کو بھی ایک علیحدہ جمعیت کے ساتھ جنونت سنگہ کے پاس بھیجا گیا تھا تاکہ
”مراد بخش بنابر جہل و جوانی و عز و نادانی سر از دارو
اطاعت بیرون بردہ از استنال حکم واجب الاتباع سر زانو
یا قدم جرات و جسارت پیشترک نہادہ ارادہ ایں صوب نماید
بممانعت او پردازد۔ بلکہ از ولایت گجرات بدست ساختہ براہ کن
اندازد۔“

لیکن مبصر مورخین کے یہاں اس سلسلہ میں اس کا کوئی نمایاں کردار نظر نہیں آتا بلکہ شہر
دکھائی دیتا ہے وہ ایک عرصہ تک مالوہ میں عضو معطل کی طرح پڑا رہتا ہے اور بقول خانی خاں
مراد کاراستہ روکنے کے لئے نکل بھی تو اس وقت جب کہ وہ چکر کا شکر اور نگ زیب سے
ل جاتا ہے۔ قاسم خاں ناکام واپس آ جاتا ہے۔ اس کے متعلق تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ
جنونت سنگہ کی شکست اسی کی پیروی کے سبب ہوئی۔

سموگڈہ کے فیصلہ کن میدان میں بھی زیادہ تر ہندو ہی پیش پیش اور داد شجاعت
دیتے نظر آتے ہیں۔

”راجہ رام سنگہ جس کی بہادری کی راجپوتوں میں بڑی شہرت
تھی..... اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنی دلیری کی ڈینگیں مارتا

ہوا محمد مراد بخش کی سواری کے قریب پہنچا ہے اور گستاخی و
بے یابی سے یہ الفاظ ادا کرتا ہے۔ تو دارا شکوہ کے مقابلہ پر
بادشاہی کی ہوس کر رہا ہے۔

راجہ کے اس جلد میں جس کو لین پول نے میڈیول انڈیا کے صفحہ ۲۴۰ پر بڑے
روزِ شور سے نقل کیا ہے جنگ کی تمام سمیت اور اس تعصب و تنفر کا اظہار ہے جس کے لئے
یہ جنگ لڑی گئی تھی۔

مگر اسی جنگ نے اس کی بے شل واداری کا ثبوت فراہم کیا اسی کی مسموم و متعصب
فضا میں اورنگ زیب کی بے تعصبی، فراخ دلی، عالی حوصلگی اور بلا تحفیس مذہب قدر
شناسی کا ایک واقعہ یاد گار ہے۔ تنگ نظر لاکھ اسے نظر انداز کر جائیں مگر تاریخ کے
ان صفحات سے نظر پھرے بغیر نہیں گذر سکتی جہاں خانی خاں رقمطراز ہے کہ
”راجہ روپ سنگھ راٹھوڑ جو شہسپہادری میں گھوڑے
سے پیادہ ہو گیا اور شہسپہاں پر جان رکھ کر برہمنہ شہسپہاں پر اتارنا ہوا
قلب لشکر کی صفوں کو چیرتا ہوا اورنگ زیب کی سواری کے ہاتھی
کے قریب پہنچ گیا اور عمار کی رسیوں کو کاٹنے کے لئے وار کیا۔
اورنگ زیب اس کی دلیری اور شہادری کو دیکھ کر ازراہ
انصاف و قدر دانی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مارا جائے اس نے
حکم دیا کہ اس کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔“

رو رعایت سے عادی میدان کارزار میں ایک ایسے دشمن کو جان کی امان کا فرمان

جو جان لینے کے لئے پہل کر چکا ہو اور اس مذہب سے تعلق رکھتا ہو جس کے بل بوتے پر جنگ لڑی جا رہی ہو حیرت و استعجاب میں ڈال دیتا ہے۔ مگر سرکاری جیسے مورخین نگاہ بجا کر نکل جاتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اس کی فطری اور غیر سیاسی بے تعصبی اور رواداری کی بین دلیل تھی۔

مگر کس کس بات سے نظر بجا کر نکلیں گے۔ اس جنگ کے شرکاء کے لئے معافی دہانی، عفو و دگندہ انعام و اکرام کی بخشش، اعزاز و خطابات کی فہمائش پیش کش اور کیا کیا نہ کیا گیا۔ اس کے برعکس ایک شکار بھی ایسی نہیں گئی جس سے اورنگ زیب کا ہندوؤں سے نہیں انتقام خصوصاً ایسی جنگ کے بعد جو مذہبی بنیادوں پر مبنی ثابت ہو اس ضمن ہندو شکار جنگ یا عام ہندوؤں پر اس کا عتاب ثابت ہوتا ہو۔

داراشکوہ کی بھڑکائی ہوئی تعصب کی آگ کو سرکار نے "ہندوؤں کے نشاۃ الثانیہ" کی علامت قرار دیا ہے! مگر موصوف کی یہ عہد عالمگیری میں اورنگ زیب کی مذہبی جنگ نظری کے خلاف بھڑکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اس سے قبل ہی شعلہ جوالہ بن چکی تھی۔ ہندوؤں کی ہوا و ہوس پر داراشکوہ کے ہندو دھرم کی جانب مد سے زیادہ میلان طبع اور ہوس تلخ و سخت نے آگ پر تیل کا کام کیا تھا۔ اگرچہ داراشکوہ در اس کے ہندو حاشیہ بردار خود اپنی آگ میں جل گئے۔ شعلے بھڑک کر خاموش ہو گئے۔ مگر ایک سوزش تھی جو باقی رہی۔ اور کبھی کبھی ہندوؤں کو بے قرار کرتا رہا۔ اس سوزش دہن کو مٹانے کے لئے چار اجداد جنہوں نے جو جو جن کے لئے وہ ہمارے سامنے ہیں۔ دھرمات کے مقام پر "مٹا رہا" جنہ کی غلطی کو اورنگ زیب اپنی کٹہ دہانی کی وجہ سے نہ صرف معاف کر چکا تھا بلکہ اسے اعزاز و مرتب سے نواز چکا تھا مگر شجاع کے

مقابلہ پر عین میدان جنگ میں اپنے محسن سے کھلم کھلا غداری اسی آتش سوزاں دنیا کا پتھر تھی
 مرہٹوں کے خلاف دکن کی اہم مہم ایک ہمارا سی کی وجہ سے ناکام ہوئی تھی۔ اسی مہم
 میں بقول جیمس گرانٹ ڈف "یہ پہلا موقع تھا کہ مرہٹے مغل سواروں کا تعاقب کرتے ہوئے
 نظر آتے ہیں۔" اسی مہم کے سربراہ شائستہ خاں نے اورنگ زیب کو لکھا تھا کہ "جنوب
 سنگھ شیواجی کے ہاتھوں خریدنا جا چکا ہے۔" اگرچہ اورنگ زیب نے شائستہ خاں کی اس
 اطلاع پر جنوب سنگھ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ بلکہ شائستہ خاں کو واپس بلا کر بنگال
 کی صوبہ داری پر بھیج دیا۔ اور اسے اسی مہم پر نائب کی حیثیت سے رہنے دیا۔ تاکہ راجہ کا
 دل میلان نہ ہو۔ ورنہ وہ اس حقیقت سے خوب واقف تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے کچھ
 عرصہ بعد جنوب سنگھ کو کابل کی مہمات پر متعین کر دیا تاکہ وہاں نہ ہندو ہوں گے اور نہ
 بے جا ہندو نوازی۔ اور آخر کار وہ وہیں ۱۰ دسمبر ۱۷۰۷ء کو تقریباً ۱۴ سال اورنگ زیب
 کی قوتِ مہر و تحمل اور اس کے جذبہٴ رواداری کو سخت آزمائشوں میں مبتلا کر کے فوت ہوا۔
 اورنگ زیب کی یہ عالی ظرفی اور ہندو رعایا کی پاسداری تھی کہ اس نے ہندوؤں کے اس
 قابلِ صدا احترام مہاراجہ کو جو نا جگان ہند میں بلند پایہ رکھتا تھا۔ کوئی سزا نہیں دی۔ ورنہ
 دھرمات کے اس شکست خوردہ اور معزور کو جس نے سجدوں کو ڈھاکراں کی جگہ مندر بھی
 تعمیر کرائے تھے۔ عبرتناک سزا دینا اورنگ زیب کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی۔

اس کے برعکس اور ان تمام اشتعال انگیز یوں کے باوجود اورنگ زیب نے زمرت
 جنوب سنگھ بلکہ عام راجپوت راجاؤں کا بھی ہر ممکن طور پر دل رکھا۔ اعزاز و مراعات کے
 علاوہ دیرعلیہ تعلقات و قرابت کو برقرار رکھتے ہوئے جدید رشتہ داریاں بھی قائم کیں انہیں

لکھوٹہ ہسٹری آف دی مرہٹہ۔ از جیمس گرانٹ ڈف جلد اول ص ۱۶۶ سے لکھنؤ لکچری
 ص ۳ اردو ترجمہ لکھوٹہ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد سوم حاشیہ ص ۳۲۵

اپنے بیٹوں کے پیارہ کئے۔ "تالیف قلب کا ایک واقعہ مستعد خاں ساقی نے بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے:

"زمانہ قدیم سے یہ دستور تھا کہ فرما زدا اپنے ہاتھوں سے

عالی مرتبہ راجاؤں کی پیشانی پر قشقہ کھینچتے تھے عہد عدالت مالگیری

میں راجہ اندرسنگھ کی پیشانی پر اسد خاں نے بوجہ حکم قشقہ

کھینچا ہے۔"

اگرچہ جد کو اورنگ زیب نے اس کو ترک کر کے صرف تسلیم ہی کو کافی سمجھا مگر اس واقعہ

کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ یہ جزیہ کے اعلان کے بعد کلہے جس سے

ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کا اعلان ہندو دشمنی پر مبنی نہیں تھا۔ ورنہ وہ اس ہندوانہ رسم کو اپنے

حکم سے ادا نہ کراتا۔ جلوس کے اڑتیسویں سال عام راجپوتوں کو ایک خصوصی امتیاز بخشا۔

بقول مستعد خاں ساقی۔

"دربار عالی اور نیز صوبہ جات میں اعلان ہوا کہ سوائے

فرقہ راجپوت کے دیگر اقوام ہندو ہتھیار نہ لگائیں، عراقی

دھربلی گھوڑے، اور بالکی پر سوار نہ ہوں گے۔"

یہ اعلان تمام ہندوؤں سے نا انصافی پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ خود ہندو سماج میں اس قسم کی

تفریق پہلے سے موجود تھی۔

اورنگ زیب کے حسن سلوک اور رواداری ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جنگ جالیشی میں

دارا شکوہ کے ہوا خواہ اورنگ زیب کے بھی خواہ نظر آتے ہیں گرانٹ ڈف لکھتا ہے۔

"مرزا جے سنگہ اور دلیر خاں دونوں اس سے قبل

دارا شکوہ کی حمایت کا اعلان کر چکے تھے مگر اورنگ زیب نے

ان کے دل آخر کار جیت ہی گئے۔ اور انہوں نے اس کے لئے

اہم خدمات انجام دیں۔

بلکہ دفا داری اور جاں نثاری کے نمایاں ثبوت ہم پہنچائے دکن کی پرخطر اہم اور طویل مہم میں بیجا پوری افواج اور مرہٹوں سے لڑ کر کارہائے نمایاں انجام دے۔ جسے سنگھ ہی کا کام تھا کہ اس نے شیواجی اور اس کے ساتھیوں کو پے در پے تباہ کن شکستیں دیں اور ایک سخت محاصرہ کے بعد شیواجی کے سر پر غرور کو ایک بار آستانہ ہی پر بعد نیاز جھکنے پر مجبور کر دیا۔

مرہٹے جسے سنگھ کے ہم مذہب ہندو تھے۔ جسے سنگھ ایک راجپوت مہاراجہ اور دربار عالمگیری کا ایک بہت بڑا ہندو امیر تھا اگر مرہٹے مذہب کی خاطر لڑتے یا اورنگ زیب مذہبی تعصب کی بنا پر جنگ لڑ رہا ہوتا تو جسے سنگھ اور اس کے ہمراہی راجہ سنگھ، سہان سنگھ اور دیگر ہندو راجپوت اس جاں بازی سے مرہٹوں کی سرکوبی نہ کرتے بلکہ متعصب مہاراجہ جیونت سنگھ کی طرح در پردہ دن بدن بڑھتی ہوئی اس ہندو مرہٹہ طاقت کے ہاتھ مضبوط کرتے۔ لیکن مرہٹوں کی جہت محض بیرونی نہیں مذہب سے نہیں بلکہ ملک و مال سے غرض تھی۔ ان کی دست درازیاں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر کھیاں تھیں مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں راجپوت راجاؤں پر جو ظلم و ستم مرہٹوں نے ڈھائے ان کی تفصیلات خود اورنگ زیب کے سخت ترین مخالف مورخ جادونا تھہر سرکار نے "فال آف دی سفل ایسپائر" میں یوں بیان کی درندگی اور بلا تخصیص مذہب غارت گری سے وہ بھی متنفر نظر آتا ہے۔

تاہم اورنگ زیب نے مرہٹوں کے ساتھ بھی ہر ممکن طور پر بہتر سلوک کرنا چاہا مگر

وہ اس سے دور جنگوں اور غلوں میں بھاگتے رہے۔ لیکن جب کبھی وہ اس کے حضور پہنچا، اس نے فراخ دلی اور سرگرم خسروانہ سے کام لیا۔ شیواجی اور ساہو کے ساتھ جو کچھ کیا وہ انکی حیثیت کے مطابق بلکہ اس سے بھی سوا تھا۔ شیواجی نے اپنی غلط توقعات کو پورا ہوتے نہ دیکھا تو راہ فرار اختیار کی۔ سنبھا کو بھی پنج ہزاری منصب عطا ہوا تھا۔ مگر وہ شقی القاب، ظالم و نادان تھا اسے اس کی سزا ملی۔ بہر حال شیوا اور سنبھا نے اورنگ زیب کے احسان و اکرم کو ٹھکرا دیا یہ انکا نقص تھا اورنگ زیب نے اپنی جانب سے حسن سلوک برتنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ شیواجی نے بھر سے دربار میں گستاخی کی مگر نیچے لگھ کے کہنے پر اس پرستے سخت نگرانی کا حکم اٹھایا۔ حالانکہ ایک مطلق العنان بادشاہ کے مقابلے میں ایک پادشاہ کی کیشی معمولی سی گستاخی کی سزا سزا مرقم کر دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی۔

اسی گستاخ شیوا کے پوتے اور شقی القاب سنبھا کے بیٹے کے ساتھ جس لطف و کرم کا برتاؤ کیا گیا اس کے متعلق شبہ ہی کے الفاظ موزوں ہیں۔ لکھتے ہیں۔

”سنبھا کے ساتھ اس کا بیٹا ساہو اور اس کی ماں بھی گرفتار ہوئی تھی۔ مالگیر نے اس موقع پر ایسی فیاض دلی اور وسعتِ حوصلہ سے کام لیا جس کی نظیر تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے۔ اس نے ساہو کو جو سات آٹھ بیس کاڑ کا تھا ہفت ہزاری کا منصب اور راجہ کا خطاب دیا اور اس کی سہ کار قایم کر کے دیوان اور بخشی مقرر کئے اور حکم دیا کہ اس کا خیر ہمیشہ شاہی خیمے کے ساتھ اتار دیا جائے اس کے چھوٹے بھائیوں یعنی من سنگ اور دادو سنگ کی بھی اسی طرح قدر افزائی کی۔ بے شبہ یہ بڑی فیاضی کا کام تھا۔ لیکن دور اندیشی

سے دور تھا۔ خانی خاں نے سچ لکھا کہ یہ "افعی کشتن و بچہ اش
رنگہ دشتن" تھا۔"

نبلی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ:

"اگر تعصب اسی کا نام ہے تو ہزار بے تعصیاں اس
پر شمار کر دینا چاہیں۔ عالمگیر کا برتاؤ آخر تک ساہو کے ساتھ
مریادہ اور فیاضانہ رہا۔ چنانچہ عالمگیر کے مرنے کے بعد ساہو نے
خود مختاری کا علم بلند کیا۔ لیکن عالمگیر کے احسانوں کا پھر بھی اتنا
پاس تھا کہ سب سے پہلے اس نے عالمگیر کی قبر کی زیارت کی۔"

مگر اس کوتاہ نظری کا کیا کیا جائے کہ بحر کرم کی اتھاہ گہرائیوں سے آب دار موتیوں کے
بجائے سنگریز سے چنے جائیں اور پھر تہی دامن کے ساتھ ساتھ قردا منی کا الزام بھی عائد
کر دیا جائے۔

بہر حال وہ مرتبہ سردار جو قتل و غارتگری کو ترک کر کے اورنگ زیب کے دامن سے
دابہ ہوئے اعزاز و مناصب کے مستحق قرار پائے۔ لیکن جو اس کی رعایا پر جس میں ہندو
اور مسلمان دونوں شامل تھے ظلم و ستم سے باز نہ آئے۔ ان کی سرکوبی اورنگ زیب اپنے
آخری سانس تک کرتا رہا۔ رعایاے جان و مال کا تحفظ اس کا فرض تھا۔ اس فرض کی ادائیگی
میں جس کے لئے وہ دونوں جہان میں جواب دہ تھا اس نے اپنے ہی جان و مال کو دکن کی قربان
گاہ پر چڑھا دیا۔

ان بڑی بڑی منظم اور سیاسی سازشوں اور سرکشیوں کے علاوہ بعض چھوٹے اور

۱۔ اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ص ۴۰-۳۹

۲۔ " ص ۴۰ آخری جلد بحوالہ آخر الامر جلد دوم ص ۳۵۱ -

غیر محدود فرقوں نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ مگر ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اورنگ زیب کے مذہبی تشدد کے سبب رونما ہوئے غلط ہے۔ سرت نامی فرقہ کی ہنگامہ آرائی جس کے سبب

”اعتراف کے زمینداروں اور بعض کم حوصلہ راجپوتوں نے بھی

سرکشی اختیار کر لی تھی۔“

ایک معمولی سے واقعہ سے شروع ہوئی جس میں اورنگ زیب کی جانب سے مذہبی یا غیر مذہبی کی تحریک نہ تھی نہ یہ جھگڑا غالباً مذہبی بنیاد پر ہوا۔ قصبہ نارنول کے ایک ست نامی کسان اور خرمن مامور ایک سرکاری پیادہ کی باہمی سخت گفتگو اور مار پیٹنے بقول مستعد خاں ساتی۔ ”مہا بھارت کی یاد تازہ کر دی تھی۔“ اور سرکار کے اعتراف کے بموجب انہوں نے نارنول کو ٹوٹا اور مسجدوں کو تباہ کیا۔ اور کسانوں سے مالگزار کی خود وصول کرنے لگے۔“ اس بغاوت کو کچلنے میں ہندو راجپوت راجہ بھی شامل تھے۔ خانی خاں لکھتا ہے۔

آخر کار راجہ بشن سنگھ اور حامد خاں و مرتضیٰ خاں نے

اور دوسرے امراء شاہی نے ان پر حملہ کر کے بڑی دیراز جنگ

کی اور ہزاروں ست نامیوں کو کاٹ کر پھینک دیا باقی جان

بچا کر بھاگ سکے۔ اور یہ شورش پوری طرح ختم کر دی گئی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جھگڑے کی نوعیت غالباً مذہبی نہیں تھی بلکہ ہندوؤں

کے لئے یہ فرقہ ہی قابل نفرت تھا۔ سرکار ایشور داس ناگر کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ۔

”ان کی حکومتوں میں ہندو اور مسلمان کی کوئی تمیز و

تفریق نہیں۔ یہ سورا اور دوسرے ناپاک جانور کھاتے ہیں۔“

۱۔ خانی خاں ص ۲۳۲ ۲۔ آثار عالمگیری ص ۸۰-۷۹ ۳۔ سرکار جلد سوم ص ۲۹۸۔

۴۔ خانی خاں ص ۲۳۲ ۵۔ سرکار جلد سوم ص ۹۷-۹۶۔ خانی نے ان کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اگرہ اور ستھرا کے ہندو کاشکار جاثوں کی سرکشی کی بنیاد بھی مذہبیہ قرار نہیں دی جا سکتی۔
سرکار نے خود اس کی وجہ بیان کر دی ہے لکھتا ہے۔

”ہندوستانی کاشکار، خصوصاً اگرہ، مسترا اور اودھ کے کسان مسلمان

فراتر واول کے دور حکومت میں محصولات کی ادائیگی میں بد
معاملہ تھے اور دھولیہابی میں اکثر طاقت استعمال کیا کرتے تھے

اگر اورنگ زیب نے طاقت استعمال کی تو وہی ملزم کیوں قرار دیا جائے اور اس پر
خواہ مخواہ مذہبی رنگ کیوں پڑھایا جائے۔ اصل وجہ کو تعصب کی عینک سے دیکھنا غلط ہے
جسوت سنگھ کی موت پر جو دھ پورا اور اودھ کے پورے راجپوتوں نے جو ہنگامہ برپا کیا
اس کی ذمہ داری بھی اورنگ زیب پر عائد نہیں ہوتی۔ جسوت لال دمراتھا اس کے علاقے
کے نظم و نسق کی ذمہ داری بادشاہ پر تھی اس لئے اورنگ زیب نے جسوت سنگھ کی
ریاست انتظام دانہرام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ جسوت سنگھ
کی رائیوں کے دو فرزند پیدا ہوئے ہیں۔ اورنگ زیب پہلے تو اس امر کو مشتبہ سمجھا رہا مگر
تصدیق ہونے پر اس نے جسوت سنگھ کے متعلقین کو یقین دلایا کہ وہ بچوں کے بالغ
ہونے پر اپنی مناصب و راج عطا فرمائے گا۔ مگر متعلقین نے اصرار و بے اعتباری
سے کام لیا۔ اس درمیان میں ایک بچہ فوت ہو گیا دوسرے کو وہ نہایت عیاری سے
نکال کرے گئے اور آئندہ نسا د ہو گئے۔ اودھ سے پورے رانا نے ان کا ساتھ دیا۔ اس
عیاری اور مکاری پر اورنگ زیب کو جتنا بھی غصہ آتا کم تھا۔ دراصل یہ قبیحہ غلط فہمیوں پر

انتہی نوٹ ہے صفحہ پہلا، جن خصایات کا ذکر کیا ہے وہ ایشور داس کی بیان کردہ ست نالیوں سے مندرجہ
کے علاوہ ہیں اس لئے ان عادات کی تردید کافی خالص بیان نہیں کی جا سکتی سرکار نے کافی غلط بیان نقل کر کے
اس کی تردید کرنا چاہی ہے۔ مے سرکار جلد سوم ص ۲۹۰ مے آثر عالمگیری ص ۱۲۱۔

منی تھا اجیت سنگھ کے اصلی اور حسی فرزند ہونے میں جاتی اور خانی تختات الراءے ہیں مگر کچھ مرصا شتباہ پر دونوں متفق ہیں۔ اورنگ زیب کے متعدد خطوط میں بھی جیکی ابیت ہی تحریر ہے۔ یہ ہر طور اس معاملہ کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ حق و وراثت سے ہے۔ اجیت جعلی فرزند ہو یا اصلی اورنگ زیب کو اس کی شیر خواری اور نابالغی کی بناء پر اس کا ولی بننے کا حق تھا۔ جیسونٹ کے متعین ناقابل اعتبار تھے

حقیقتاً ان واقعات کا تعلق مذہب سے نہیں تھا ہر دور میں اس قسم کے واقعات پیش آنے رہے ہیں یہ اور بات ہے کہ خود ہندوؤں نے بعض واقعات کو مذہبی رنگ دے لیا۔ محض اس لئے کہ اس کے عہد سمرلت میں وہ بے جا ہندو نوازی نہ کی جاسکی جس کی مثال داراشکوہ نے پیش کی تھی۔ یا جو داراشکوہ سے متوقع تھی صرف اس بات سے فائدہ اٹھا کر کہ وہ خود متشرع اور اپنے مذہب پر صرف اپنے اور اپنے ہم ناموں کے لئے پابندی سے عمل کرتا تھا باقی واقعی وہ راسخ العقیدہ تھا مگر دوسروں کی مذہبی آزادی میں مداخلت نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے ان ہندو اندرسومات کو جن میں مذہب سے ہٹ کر بد اخلاقی بد کرداری اور انسان دشمنی نے راہ پائی تھی مٹانے کی کوشش کی، یہ اس کی اخلاقی جرأت تھی۔ اصلاحی کوشش تھی۔ بستی کی رسم جس سے عیسائیوں تک کو وحشت ہوتی تھی ہندوؤں کے یہاں انسانی تقدس اور تشدد پر مبنی تھی، ہندوستان کے دیگر مسلمان بادشاہ کی طرح اورنگ زیب نے بھی اس رسم کے قطعی امتناع کا حکم نہیں دیا مگر نوجہادوں اور

۱۷ سرکار جلد سوم نمبر ۱۷ ص ۵۵ سرکار نے خانی خاں کے بیان کے مطابق اجیت کو جیسونٹ کا اصلی فرزند قرار دیا۔ ساتی نے محمدی راج کو صلیبی فرزند بتایا ہے جسکی پرورش شاہی محل میں زمیندار نے کی۔ ہر حال وراثت کے خود رساں اور نابالغ ہونے کی وجہ سے حکومت وقت کا نرا ذیہ تھا کہ وہ اس کی ریاست کی دیکھ بھال کرے۔

صوبیداروں کو یہ حکم تھا کہ سستی پر آمادہ ہونے والی عورت اور اس کے اعزاء کو سمجھا
 بجھا کر اس قبیل اور انسانیت سوز نعل سے باز رکھنے کی سعی الوسع کوشش کی جائے
 فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر اپنے بارہ سالہ روزنامہ (۱۶۵۶ - ۱۶۶۸) میں لکھتا
 ہے کہ

”کچھ کل پہلے کی بہ نسبت سستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیوں کہ مسلمان
 جو اس ملک کے فراموش ہیں، اس دھشیا نہ رسم کو نیست و نابود
 کرنے کی حتی المقدود کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اس کے امتناع
 کے واسطے کوئی قانون مقرر نہیں ہوا ہے کیونکہ ان کی پالیس کا
 یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی رسومات میں دست اندازی کرنا
 مناسب نہیں بلکہ مذہبی رسوم بجالانے میں ان کو
 آزادی دیتے ہیں۔ تاہم سستی کی رسم کو بعض رکاوٹیں پیدا کر کے
 روکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت اپنے صوبہ کے حاکم
 کی اجازت کے بغیر سستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت
 نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہ ہو جائے
 کہ وہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہیں آئے گی۔ کبھی تو ایسا
 کرتا ہے کہ محفل سرا میں بھیج دیتا ہے تاکہ بیگمات بھی
 اس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔“

مگر اس چشم پوشی کو کیا کیا جاسے کہ لارڈ ولیم بینٹ اور راجہ رام موہن
 رائے کے احسانات کو سراہا جاسکتا ہے مگر مسلمان بادشاہوں خصوصاً اورنگ زیب کی

کوششوں کا تذکرہ بھی ارا نہیں بلکہ اس کے تعصب پر محمول کیا جاتا ہے۔

بعض مندروں کی بنیاد ہی کے سلسلہ میں ایک اور بات کا بھی پتہ چلتا ہے افسوس
مسلمان مورخین نے اپنے مذہبی جوش میں منہدم مندروں کی تعداد بڑے جوش و خروش
سے مبالغہ آمیز حد تک لکھ دی اور اصل وجوہ کو نظر انداز کر کے اس قسم کی ہر ایک بات کو
بادشاہ وقت کے مذہبی جوش پر محمول کیا۔ لیکن بعض حقائق کا پتہ معمولی واقعات
اور آثار و قرائن سے بھی چلتا ہے اور نگ زیب کے دور تک نہ صرف اسلامی معاشرہ
بکڑ چکا تھا بلکہ ہندو معاشرہ بھی گھٹاؤ ناہو گیا تھا۔ ان کے منادر و مقدس مقامات
طرح طرح کی عیاشیوں کے مرکز بن گئے تھے۔ اور نگ زیب نے مسلمانوں کی بے راہ
روکی روکنے کے لئے محتسب مقرر کئے اور سختی سے احتساب کا حکم دیا۔ لیکن مسلمان بادشاہ
ہندوؤں کے معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن جب کوئی بدکرداری ذاتی
مشاہدہ میں آئے تو اور نگ زیب جیسا بادشاہ اس کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اسی قسم کا
ایک واقعہ اور نگ زیب کو تخت نشینی سے قبل پیش آیا جس کو سرکار نے "اورنگ زیب کا
مندروں کو منہدم کرنا" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ اورنگ زیب نے اپنے
ایک خط میں بیدار خبت کو لکھا تھا

"اورنگ آباد کے قریب موضع ستارہ میری شکار گاہ

تھی یہاں ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک مندر تھا جس میں کھاندے

رائے کی شبیہ تھی خدا کا شکر ہے کہ میں نے اس کو مسمار کر دیا

اور مندر کی رقاھاؤں (مریوں) کو شرمناک کاروبار سے

روک دیا۔"

یہ شرمناک کاروبار اکثر مندروں میں ہوتا تھا۔ جگنا تھ کے مشہور مقدس
مند کے متعلق اس قسم کا خیال کس کو ہو سکتا ہے۔ فرامیسی سیاح برنیر لکھتا ہے۔

”برہمنوں کا دغا و فریب یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ یہ

ایک خوبصورت لڑکی کر جگنا تھ کی شادی کے واسطے انتخاب

کرتے ہیں جو تمام رات وہاں رہتا ہے۔ رات کے وقت ایک

مشہور پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے

مند میں پہنچ جاتا اور اس بیپاری کنواری لڑکی سے جو

اس کو جگنا تھ سمجھے ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے۔۔۔ اور صبح کو

ویسے ہی دھوم دھام سے اس کو دھسکر مند میں لیجاتے ہیں

۔۔۔ اب ہم ایک اور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگنا تھ کے

رہنے کے سامنے بلکہ خاص مند میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ

کے وقت کبیاں اپنی مختلف حرکات سے نہایت بے شرمی اور

بے حجبی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور برہمن ان نحویات کو بالکل اپنے

ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔“

سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے مندر کی ملازم کبیوں کے متعلق لکھتا ہے۔

”میں کئی ایک خواہجہورت کبیوں کو جانتا ہوں جو باوجود

اس پیشے کے نہایت محتاط ہیں۔ یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی

جاتیں۔۔۔ انہوں نے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں

اور ان سادھوؤں کیلئے جو تیلے دھونی رامائے اور جٹا دھارن کئے

مند کے چاروں طرف بیٹھے رہتے ہیں دفع کیا ہوا ہے۔“

لے اور لے شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب ص ۹۷-۹۰ م ان (باقی اگلے صفحہ پر)

اس واقعہ اور ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اور مند بھی جہاں کے برہمنوں، معاد صوبوں اور مرہٹوں کی بڑا عالیوں کا علم اور نگ زیب کو اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہوا ہوگا۔ اس نے ان کی بنیادیں تک اکھڑا دی ہوں گی اس کو مذہبی جنوں پر نہیں بلکہ اس کی افلاقی جرات اور صلاحی کوشش پر محمول کرنا چاہئے۔

اورنگ زیب کے ہاتھوں بعض مندروں کی تباہی ہندوؤں کے تعصب و تشدد اور مسلم دشمنی کی وجہ سے ہوئی جس کا اظہار عہد عالمگیری سے قبل متعدد بار مسجدوں کو ڈھا کر کیا جاتا رہا۔ خود اورنگ زیب کے دور میں ہمارا جہ صیونت سنگھ نے مسجدوں کو منہدم کیا اور ست نامیوں کے نقشہ میں ہندوؤں نے بہت سی مسجدوں کو شہید کیا۔ اورنگ زیب نے جواہری کارروائی میں بعض مندروں کو بلاشبہ تباہ کر دیا۔ لیکن یہ مناد اس کی پرامن رعایا کے علاقوں میں نہیں تھے بلکہ بیشتر اسی دارالحرب سے متعلق تھے جو صیونت اور اس کے ہوا خواہ رانا دیگر راجپوت راجاؤں کے علاقوں میں تھے۔ کچھ ان علاقوں کے بھی تھے جو وقتاً فوقتاً دارالحرب بنے اور دہان اس سے قبل مسجدوں کی بے حرستی اور ان کا انہدام عمل میں لایا جا چکا تھا مثلاً ہمارا شتر، بیجا پور، گولکنڈہ، حیدر آباد، ستھرا اور کوچ بہار وغیرہ۔ ان میں بھی بعض مقامات پر صرف ان مندروں کو ڈھایا گیا جو نئے تبرشہ تھے یا مسجدوں کی بنیادوں پر تعمیر کئے گئے تھے۔ دوران جنگ تباہ شدہ مندروں کے بعد جس میں ہندو و مسلمان دونوں ہی ایک دوسرے کے معابد کو کسی گنتی و شمار کے بغیر تباہ کرتے تھے ایسے ہی ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے جو جدید تھے اور بادشاہ وقت کے علم لے غلات تھر کئے گئے تھے۔

دقیقہ نوٹ صفحہ پچھلا، صفحات پر پچپال کے دوسرے واقعات بھی ملاحظہ کیجئے کلاڑی ایس بھائن نے
سنہ ۱۷۹۱-۹۲ء کے قریب تہی بیماٹی کے ان واقعات کا مشاہدہ کیا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۶-۹۷)

اورنگ زیب نے تخت نشینی کے بعد ۱۶۵۹ء میں ایک فرمان جاری کیا تھا جو بنادر فرمان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک برہمن کی شکایت پر جو کسی مندر کا مہنت تھا اور بس کو بعض لوگ پریشان و خوفزدہ کر رہے تھے بنارس کے مقامی حاکم ابوالحسن کے نام تھا۔ جسیں اورنگ زیب نے لکھا تھا کہ۔

”..... اپنے مقدس قانون کے بموجب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ قدیم مندر نہدم نہیں گئے جائیں گے مگر نئے مندر دہلی تعمیر ممنوع ہے۔“

خود فاضل محقق نے فرمان کے اس ٹکڑے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔
 ”اس فرمان سے یہ بالکل واضح ہے کہ اورنگ زیب نے نئے مندروں کی تعمیر کے خلاف یہ کوئی نیا حکم جاری نہیں کیا تھا بلکہ اس نے سابقین کے اس طریقہ کا اعادہ کیا تھا جو پہلے سے جاری تھا۔ وہ محض اس طریقہ پر عمل پیرا رہنا چاہتا تھا۔ جہاں تک قدیم مندروں کا تعلق ہے وہ واضح طور پر ان کے انہدام کا مخالف تھا۔“

نہ صرف یہ بلکہ اورنگ زیب قدیم مندر کے برہمن مخالفین اور مہنتوں کے اس سکون

لے سرکار اور بے نان چند ادوتوں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے۔ مگر بے نان چند نے اپنے مقالہ بعنوان ”اورنگ زیب اور ہندوؤں کے مندر“ میں (جنرل آف پاکستان ہٹ ریکل سوسائٹی کراچی کے سات شماروں میں بالاقساط اور مختلف عنوانات کے تحت شائع ہو چکا ہے) جس میں مقالہ نگار نے اورنگ زیب کے ۲۵ فرامین و اسناد میں سے میں جن سے اورنگ زیب کی مذہبی رواداری پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ پورے فرمان کا ترجمہ دیا ہے۔ (جنرل من ۲۰۰۲، اکتوبر ۱۹۵۵ء)

کا ضامن، انکی مذہبی اختیارات کا محافظ اور ان کی گذراوتات کا کفیل تھا۔ اس فرمان میں اورنگ زیب کی تحریر کے الفاظ یہ ہیں۔

”بعض لوگ بنارس شہر اور اس کے قرب و جوار کے ہندو باشندوں اور مندروں سے برہمن محافظین کو جن کی قبول میں یہ قدیم مناد میں پریشان کرتے ہیں اور ان کے معاملات میں مزاحمت پیدا کرتے ہیں اور مزید یہ کہ وہ لوگ برہمنوں کو ان کے دیرینہ مناصب سے عیسوہ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ اس لئے حکم سلطانی یہ ہے کہ اس کے سوسول ہوتے ہی تمہیں ہدایت کر دینا چاہئے آئندہ کوئی شخص غیر قانونی طور پر برہمنوں اور دوسرے ہندو باشندوں کو پریشان نہ کرے۔ اور نہ ان کے معاملات میں مزاحمت پیدا کرے تاکہ وہ پہلے کی طرح اپنے کام میں مصروف رہیں۔ اور سکون دماغی کے ساتھ ہماری سلطنت خلا داد کی سلاستی اور دوست دوام کے لئے دعا گو رہیں اس حکم کو اشد ضرورت کی تصویر کیا جائے۔“

بنارس ہی کے ایک اور فرمان میں اورنگ زیب نے ہماراج دھیراج راجہ رام سنگھ کے خاندان کے ایک مذہبی پیشوا حکومت گوسائیں جہاں دال کے تحت کیلئے لکھا،

”حال مستقبل کے حاکموں کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کر دیں کہ آئندہ کوئی شخص گوسائیں کو ہراساں کرنے کی کوشش نہ کرے۔“

بنارس ہی کے ایک حاکم کے نام اورنگ زیب کا ایک اور فرمان ہے جس میں اورنگ زیب نے ہندوؤں کے ایک غمہی پیشوا کی کفالت کے لئے دو قطععات آراضی بطور انعام عطا کئے اور اس میں یہاں تک تحریر کر دیا کہ۔

”ہمارے بسند اقبال فرزند اعلیٰ مرثیت وزیر، پاک طینت امرا اور اعلیٰ حکام، داروغہ اور کوتوال ہمارے اس حکم پر فور کے اجراء و عملدرآمد پر مستغلاً نگاہ رکھیں اور محولہ بالا قطععات کو مستذکرہ افراد اور نسل و نسل ان کے ورثاء کے قبضہ میں رہنے دیں اور انکو تمام محصرات سے مستثنیٰ تصور کریں علاوہ ازیں ہر سال ان سے نئی سند طلب نہ کریں۔“ (تاریخ شاہجہان شاہ ۱۷۸۹ء ص ۱۰۹)

یہ دونوں فرامین ہندوؤں کے مقدس غمہ بنارس کے حاکم کے نام ہیں جہاں ایک مسند کو اورنگ زیب نے مسمار کرایا۔ اور پاٹھ شالہ ڈوں کو بند کر دیا۔ اس کا سبب مستذکرہ بالا فرامین کی رشتہ میں اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ مسند کی متعلقہ پاٹھ شالہ اور دیگر ہندو بدھوں نے اورنگ زیب کی انتہائی مذہبی رواداری کے باوجود مسلمانوں کے عقائد کے خلاف زہر افگنا شروع کر دیا تھا۔ مستند خاں ساتی کا بیان ہے کہ

”بادشاہ دیں پناہ کو معلوم ہوا کہ صوبہ ٹھٹھہ اور ملتان

میں بالعموم اور بنارس میں بالخصوص برہمنوں نے مدارس قائم کئے ہیں اور کتب باطلہ کے درس تدریس میں مشغول ہیں ہندو و مسلم طلباء و دور دراز مقامات سے سفر کر کے ان علوم کی تحصیل کے لئے آتے ہیں قبلہ عالم نے عام صوبہ جات کے نظائر

کے نام فرامیں جاری کئے کہ یہ مدارس مساکر دئے
جائیں اور ان علوم کی درس و تدریس کی تاکید کے ساتھ نفع
کی جائے۔“

ہندوؤں کے مسلمانوں کو سبق پڑھانے اور ان کو اورنگ زیب کے درس عبرت
دینے کے جوازیں لین پول رقمطراز ہے کہ

”جو کچھ کیا گیا وہ درس عبرت دینے اور برائیوں کو متنبہ کرنے کے
لئے تھا تاکہ وہ حق کے سچے پرستاروں میں تبدیل مذہب کی
کوششوں سے باز آجائیں اس مقصد کے تحت اس نے جنوں
کے مندر واقع بنارس اور متھرا کے ایک شاندار مندر کو منہدم
کرا دیا۔“

در اصل ہندوؤں کے مدارس مسلمانوں کے مدرسوں کی طرح بڑے بڑے معابد
ہی سے متعلق ہوتے تھے۔ اس لئے مدرسوں کی تباہی کے معنی ان معابد کی تباہی ہے جس
وہ واقع یا متعلق یا متصل ہیں۔ یعنی ان کو باعتبار مندر تباہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ درس و
تدریس باطلہ کے مراکز کی حیثیت سے ان کی تباہی عمل میں آئی، یہاں یہ بات بھی محل غور
ہے کہ یہ دونوں فرمان اس دور کے ہیں جس کے متعلق مورخین یہ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے
زیادہ تشدد اختیار کر لیا تھا۔

جلوس کے نویں سال ۲ صفر کو آسام کے دارالاسلام بنائینے کے فوراً بعد ایک فرمان جاری

۱۔ انٹرنیٹ گیری ص ۵۹ ۲۔ اورنگ زیب ازین پول ص ۳۶-۳۵ اکلینڈن پریس کیمبرج ۱۹۵۲ء
۳۔ فرہاں کا پورا ترجمہ جہان چند نے اپنے مقالہ میں دیا ہے ملاحظہ کیجئے جرنل آف پاکستان
سٹارٹیکل سوسائٹی - اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۲۵۱

کیا جس میں اُمانند مندر واقع گواہی صوبہ آسام کے پجاری سدا من برہمن کے لئے
وہ تمام مراعات و اسباب کفاف کی تجدید تھی جو آسام کے سابقہ ہندو حکمرانوں نے
اس مندر اور اس کے پجاری کے لئے پہیا کئے تھے۔ اس پر جے نان چندر تبصرہ کرتے
ہوئے لکھتا ہے۔

”معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب اپنی ہندو رعایا کے مذہبی جذبات کے
احترام میں بہت محتاط تھا۔

اسی احتیاط و احترام کا ایک اور ثبوت صفحہ ۲۵۱ کے حاشیہ پر دیا ہے لکھتا ہے۔
”اپنی رعایا کے احساسات کا خیال اس سے واضح
ہوتا ہے کہ اس نے آسام میں ایسے سکے جاری کئے جو بنگالی
میں ان کی قدیم روایات کے حامل تھے۔“

اس فرمان اور جے نان چندر کی رائے کے پیش نظر ہیں آسام و کوچ بھار کے مندروں
کی تباہی کے سلسلہ میں سرکار کے بیان میں سراسر تعصب اور لاعلمی، اور ساقی کی تحریر میں
ایسی شدت نظر آتی ہے جس میں آنکھیں صحیح اسباب و علل دیکھنے سے قاصر ہوتی ہیں۔
احمد آباد کے مشہور چٹا من مندر کی تباہی بھی اورنگ زیب کے الزامات میں شامل
ہے۔ جے نان چندر اس کی تردید میں لکھتا ہے کہ۔

”عام طور پر مورخین چٹا من مندر کی تباہی کو پیش کرتے ہیں
جس کو احمد آباد کے ناگرسیتھ نے تعمیر کیا تھا مگر اس حقیقت
کے بیان بران کی زبان گڑبگڑ ہو جاتی کہ اسی ناگرسیتھ کو اورنگ

۱۷۴۱ء میں سرکار حیدرآباد نے دکن میں دوران جنگ کچھ مندروں کی تباہی ہوئی ہو یا نہ
مندروں کو منہدم کر دیا گیا ہو۔

ذیب ہی نے شترنجیہ اور آجیو کے مندروں کو اخراجات کے لئے
لئے قلعہات آراضی عطا کئے تھے۔

اس ذیل میں جے نان چندر نے دو فرامیں ۱ مورخہ ۹ ررمغان ۱۳۵۵ھ
اور ۱۰ رجب ۱۳۵۶ھ (۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء) کے تراجم دیئے ہیں یہ

جے نان چندر نے اپنے مقالہ کی دوسری قسط بعنوان ”ہندو پجاریوں کو عالمگیری
بخشش“ کے تحت تیرہ پروانوں اور سندوں کے تراجم مع فارسی متن پیش کئے
ہیں جو مالوہ کے عالمگیری گورنروں کی جانب سے اجین کے برہمن خاندان کی گذراوقات
کے بندوبست کے لئے متصدیان کو وقتاً فوقتاً بھیجے گئے ان تیرہ پروانوں کی تاریخوں
سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں جو بخششیں اور عطایا دیئے گئے وہ اس کے دور
میں ہمیشہ جاری رہے۔ ان فرامیں میں قسطل قائم کرنے کے بعد یہ کہنا غلط ہے کہ
اورنگ زیب عالمگیر اپنے دور کے آخری نصف میں بہت زیادہ متشدد اور متعصب
ہوتا چلا گیا۔ اسی سلسلہ میں خود عالمگیر کا سنہ جلوس ۲۳ میں جاری کردہ ایک فرمان
مع فارسی متن موجود ہے جس میں ایک برہمن کو ۲ پرتن آراضی لایق ذراعت دروہ
خیرات دینے کا حکم ہے۔ جے نان چندر لفظ خیرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کی خیرات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھی۔

۱۔ ملاحظہ کیجئے مقالہ از جے نان چندر۔ جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی اکتوبر ۱۹۵۶ء
اس ۲۵۴-۲۵۲ء جے نان چندر۔ جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جنوری ۱۹۵۷ء
بقول فاضل مقالہ نگار یہ اسناد ایک ہا کیشورہ مندر کے پجاریوں کے پاس محفوظ ہیں اور
غیر مطبوعہ ہیں یہ پجاری اسی برہمن خاندان سے تعلق ہیں۔ جے نان چندر جرنل مذکور
اپریل ۱۹۵۹ء (مقالہ کی سالویں قسط) جے نان چندر جرنل مذکور ماہ اپریل ۱۹۵۹ء ص ۹۹

نیراؤ غیر مسلموں سا کہ نہایت فیاضانہ اور روادارانہ تھا۔^{۱۷۷}

بندگوں کے ایشان کے مقدس گھاٹوں اور مقدس معابد کی یا ترا کرنے والوں کے محصولات معاف تھے اور س طرح ورنگ زیب نے بندوؤں کے مذہبی حقوق کو ملحوظ کرتے ہوئے کرڈریں روپیہ کا نقصان اٹھایا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے راہ گھٹ پر بیٹھنے والے دوکانداروں اور رہبری کے محصولات بھی معاف کر دئے تھے خانی خاں لکھتا ہے کہ۔

”بادشاہ نے راہداری اور بانہاری کے محاصل کی مانعت

کے لئے مسلسل احکام جاری کئے حالانکہ ان عداوت میں لاکھوں روپیہ سرکار میں جمع ہوتا تھا۔“^{۱۷۸}

لین پول نے لم از کم سی کو اورنگ زیب کے محاسن میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے

”اس نے اعالیٰ غیر مسلموں کے مذہبی میوں اور تہواروں

پر لگے ہوئے محصولات کو معاف کر کے اپنے خزانہ کو خالی کر دیا۔“^{۱۷۹}

در بقول سرکار ۱۷۶۹ء میں اورنگ زیب نے ایسے میوں کو تمام ملک بھر میں ممنوع قرار دیا۔^{۱۸۰}

۱۷۷۰ء بہتان چندر جرنل آف پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۲۵۲ ڈاکٹر غوری صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ دراشکوہ نے شاہجہاں پر زور ڈال کر یا ترا کا ٹیکس معاف کر دیا تھا۔ اسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔^{۱۸۱} ممکن ہے اورنگ زیب نے بھی اس کو معاف ہی کیا ہو۔ یا ترا ٹیکس متعلق خانی خاں کا بیان مبہم ہے اعالیٰ گیارہ بھی خاموش ہے ۱۷۷۰ء خانی خاں ۱۷۷۰ء ۱۷۷۰ء میل جول اندیا۔ مبدعہ سوم ص ۲۲۲ مبدعہ سوشل گپتا لیبڈ اندیا۔ لین پول نے بھی اس معافی کے متعلق کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔

سرکار نے خانی خاں کے حوالے سے یہ لکھا ہے لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں -

”سکرات اور نشہ بازی کے رواج کو ختم کرنے کے لئے شراب

خانے بند کرادے اور یا ترا کے اجتماعات پر بھی پابندی لگا دی گئی۔“

خانی خاں نے جن محزب اخلاق چیزوں کے ساتھ ”جاترا“ کے اجتماعات ”پر پابندی

لگانے کا ذکر کیا ہے اس سے ”رنگ زیب کا مقصد بے حیائی کے اجتماعات سے ہے -

مقدس یا ترا سے نہیں - جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ہندوؤں

جاتراؤں اور سیلوں ٹھیلوں میں جن عیاشیوں اور اخلاق وائسا نیت سوز حرکات کا

منہ ہو کیا جاتا تھا وہ ایک پاکباز اور دیندار بادشاہ کے لئے ناقابل برداشت تھیں -

پھر یہ کہ ان کا تعلق نہ صرف ہندوؤں بلکہ مسلمانوں سے بھی تھا - بقول سرکار

ہندوستانی مسلمان جو کسی طرح ہندوؤں سے کم نہیں -

ان سیلوں میں جمع ہوتے تھے یہاں کی تقریبات، تجارت

اور سعادت میں حصہ لیتے تھے۔“

مسلمانوں کو ان اجتماعات میں شرکت سے روکنے کے لئے اور رنگ زیب کے لئے اور

کوئی چارہ کار نہ تھا - اس کے تحت اس نے عرس وغیرہ جیسے مسلمانوں کے اجتماعات پر بھی

پابندی لگائی تھی - مگر یا ترا جاری رہی اور اس کو کسی صورت سے نہیں روکا جاسکتا تھا

نہ اس کا یہ منشاء تھا - بلکہ اس نے اس ضمن میں تو ہندوؤں کو سہولتیں بہم پہنچائیں -

لیکن اتنے محصولات کی معافی کے بعد اور تقریباً ۲۰ - ۲۱ سال نقصان برداشت

کرنے کے بعد تخت نشینی کے بائیسویں سال جب اس نے ہندوؤں پر شرعی سے زیادہ مالی دہلی

ضرورت کے تحت ایک ٹیکس جزیہ کے نام سے عائد کیا تو تمام ہندو بوکھلا اٹھے مرنے مارنے

پر آمادہ ہو گئے۔ مگر مسلسل جنگوں کی وجہ سے خزانہ خالی تھا۔ اس کے علاوہ جزیہ
 قسراتی ٹیکس تھا۔ جس کا نافع ہونا ضروری تھا۔ اور
 مرہٹوں کی روز افزوں تار تار کی وجہ سے دکن کی ہمہ پیش نہ تھی۔ اتنی دور دراز
 اور دشواری طلب مہم کے لئے کافی خزانہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے اورنگ زیب شرعی
 نقطہ نظر کے تحت اسی قسم کا ٹیکس عائد کر سکتا تھا اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی
 شرعی صورت نہ تھی۔ پھر یہ کہ مسلمانوں پر مذکورہ کی فرضیت کو قائم کرنے اور واجب الادا
 قرار دینے کے بعد نصاب کا تقاضا یہ تھا کہ ہندوؤں پر جزیہ کو لازمی قرار دیا جائے
 اس نے نصاب کے خلاف کسی آواز کو نہیں سنا۔ جو سختی اور رعایت زکوٰۃ کی رسم
 میں برتی گئی وہی جزیہ کے سلسلہ میں برتی گئی۔ جس طرح وہ زکوٰۃ کی معافی کو قبول
 نہیں کر سکتا تھا اسی طرح جزیہ کو بھی ترک نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر کسی کی آمدنی میں
 تخفیف ہوئی یا کوئی بیماری آزاری ہوتی تو اس نے جزیہ اور دیگر خراجی رقوم کو اکثر و
 بیشتر معاف کر دیا۔ جو لوگ قم کھشت سالانہ ادا نہیں کر سکتے تھے انہیں یہ رعایت دی کہ
 وہ بالاقساط ادا کر دیں۔ تمام ہندو سرکاری ملازمین (فوجی وغیرہ فوجی) بیمار مفلوج۔
 بچے، بوڑھے عورتیں، محتاج اور دیوانے اس سے مستثنیٰ تھے علاوہ ان میں جزیہ کی
 رقم سادہ مقرر تھی لیکن زکوٰۃ کی رقم نصاب کے بڑھنے پر بمطابق شرح زیادہ بھی
 ہو سکتی تھی۔ زکوٰۃ فوجی وغیرہ فوجی سب پر واجب تھی۔ جزیہ کے خلاف ہندوؤں کی واد
 انکی ناہمی اور خود غرضی پر مبنی تھی۔ وہ اس محصول کو البر سے قبل بلا پس پیش داکر لے لیتے۔
 اس لئے اب اس میں کسی سبکی کا سول بھی بے معنی تھا۔ ان کی جراتوں نے حد سے متجاوز
 ہو کر محض آمادہ پیکار ہونا سیکھ لیا تھا۔ اس پر بھی اس کی مذہبی رواداری
 صاف طور پر نمایاں تھی۔ اگرچہ اس نے ہندو راجپوتوں اور مرہٹوں کی پیہم بغاوتوں
 دوسرکشی کے سبب مالی مشکلات میں گھیر لیا تھا۔ اور لیکن یہ کہ وہ استفادہ جزیہ کی

وصول میں انتہائی جبر و تشدد کا مظاہرہ کرتا۔ یہاں بین پول کا بیان محل غور ہے لکھا ہے کہ
جزیرہ کی رقوم کی دھویا بلی کے متعلق صرف اتنا ملتا ہے۔

محض برہان پور شہر سے ... ۲۶۰ روپیہ اس میں وصول
ہوئے۔ اور اگر یہ سیکس کچھ بھی سمجھتی ہے لگایا ہوتا جو غیر یقینی امر ہے
تو پورے ہندوستان سے اس میں وصول شدہ

رقوم کا میزانیہ بہت زیادہ ہوتا۔

مگر اس کے جذبہ رسد داری اور ترجم سے کبھی مذہبی تشدد کو پسند نہیں کیا۔ وہ ایک وسیع
ملکت اور دو بڑی قوموں کا فرمانروا تھا اسی طرح اس کی فکر و نظر میں وسعت،
مزاج میں اعتدال اور کردار میں استقلال تھا۔

اس کی حکومت کے ہزاروں اراکین ہندو تھے فوجی اور ملکی دونوں قسم کے
اہم عہدوں پر فائز تھے شعبہ مالیات میں ان کی اکثریت تھی شعبہ ایالت کے سربراہ
ایک عرصہ تک ہندو رہے۔ ہندوؤں کے محبوب ترین منغل بادشاہوں اکبر اور جہانگیر
کے دور کے ہفت ہزاری سے ایک ہزاری منصب تک کے منصب داروں کی کل تعداد
کے مقابلہ میں عہد عالمگیری کے ہندو منصب داروں کی تعداد بہت زیادہ تھی
اکبر کے دور میں کل منصب دار ۲۵۰۰ جہانگیر کے دور میں ۴۶۰۰ عالمگیر کے دور میں
۶۰۰۰ یعنی دونوں کی مجموعی تعداد سے صرف ۲۰۰ کم۔ اور اس صورت میں جبکہ عالمگیر کے

۱۵ اورنگ زیب ازین پول ص ۱۲۵ کلیرینڈن پریس۔ آکسورڈ ۱۸۹۳ء۔

۱۶۔ منشی محمد سعید احمد نے "امرائے ہندو" میں ص ۴۱ پر اکبر، جہانگیر، شاہجہاں
اور اورنگ زیب کے زمانوں کے ہندو منصب داروں کی تعداد کا لحاظ منصب
علیحدہ علیحدہ دی ہے۔

عہد کی کوئی مکمل فہرست کسی تاریخ میں موجود نہیں تھی۔ تاہم ان کے علاوہ ملکی اور فوجی
 ملازمتوں میں بہت سے ہندو ملازم ہوں گے جن کا شمار کسی زمانہ میں بھی نہیں کیا جاسکتا
 مگر بقول سرکار ہندو پیشکاروں نے منسل سپاہیوں کے ساتھ زیادتیاں کرنا شروع
 کر دی تھیں جب عالمگیر کو اس خفیہ آمیز سلوک کی اطلاع ملی تو صوبہ داروں اور
 صوبہ کے حاکموں کے نام ایک اور فرمان یہ جاری ہوا کہ صوبہ دار، تعلقہ دار، پیشکار اور
 دیوانی کے عہدہ دار ہندوؤں کو برطرف کر کے ان کی جگہ مسلمانوں کو مقرر کریں۔ دیوانی
 کے عہدہ داروں کو ہدایت دی گئی کہ محلات خالصہ کے کرڈری صرف مسلمان ہی مقرر
 کئے جائیں۔ مگر اس کا نفاذ نہیں ہوا۔ خود خانی خاں رقمطراز ہے۔ ”حاکموں کی
 پیشکاری سے ہندوؤں کی برطرفی کا معاملہ بھی سختی نہ ہونے کے سبب سے مل ہی رہا۔ بعض
 بعض شہروں میں کچھ عرصہ تک ہندو کرڈری برطرف رہے اور ان کی جگہ مسلمان
 مقرر ہوئے۔ بعد میں ایسا عمل درآمد ہو گیا کہ دیوانی کے دفاتر اور سرکاری مجلسوں کی
 پیشکاری میں ایک پیشکار مسلمان ہوتا تھا تو دوسرا ہندو تھا۔ دراصل یہ فرمان ہندو
 پیشکاروں کے ناروا سلوک کے جواب میں محض تنبیہ کے طور پر جاری کیا گیا تھا اور دیوانی
 کے عہدے داروں کے خاص طور سے متعلق تھا۔ اس کی وجہ بقول شبلی یہ تھی کہ
 ”ان عہدوں (کرڈری) پر اثر کا ایسا نتیجہ مقرر ہوتا تھا۔ جو رشوت لینے میں مشہور ہیں
 اس حکم کو مذہبی تفریق سے کوئی تعلق نہ تھا۔“ پھر یہ کہ جس بادشاہ نے دوپارسی
 ملازموں پر ایک شخص کے اعتراض کے جواب میں کہا ہو کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار

۱۔ امرا لے ہنود از منشی محمد سید احمد ص ۲۱۔ ۲۔ مہم مطبوعہ نامی پریس کالج پورٹ سٹی ۱۹۱۰ء

۳۔ اسٹڈیز ان منغل انڈیا از سرکار۔ ص ۲۳۔ ۱۶۲۔ ۴۔ خانی خاں ص ۲۲۹۔

۵۔ خانی خاں ص ۳۲۔ ۶۔ اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نثر۔ از شبلی ص ۶۷۔

میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو کوئی جگہ مل سکتی ہے۔ اپنے اس قول کی تائید میں اورنگ زیب نے یہ آیت لکھ دی **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** اور یہ بھی تحریر کیا کہ ”اگر یہی دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہئے تھا کہ اس ملک کے سب اہل کو اور ان کی رعیت کو غارت کر دیتے مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی بابت کے موافق ملیں گی۔ اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں گے۔“ اس پر یہ الزام کہ قانون گوئی مسلمان ہونے کی شرط پر ملتی تھی۔“ یا اس نے ضرورت کے تحت اپنے پچھلے حکم میں نرمی برتی۔“ قطعی امتزاج پر دازی اور الزام تراشی ہے۔

حق یہ ہے کہ اورنگ زیب کی مذہبی رواداری، مشرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی آپ مثال ہے۔ مگر حق ہم ہی سے ادا نہ ہوا۔ تاہم وہ پر امن ہندوؤں کے لئے نہایت شفق و مہربان تھا۔ ہندو محقق جے نمان چندر لکھتا ہے کہ اس زمانہ (عہد عالمگیری) کے ادب میں اس قسم کی بہت سی شہادتیں ملتی ہیں کہ عالمگیر ہندوؤں کے لئے کسی خوف و خطر کا موجب نہیں تھا۔“ ذیل میں اس نے ایک جین گہراتی شاعر کے چند

آیتیں امرالہ ہندو۔ ص ۴۰ بحوالہ دعوت اسلام ص ۲۷۸ از آرٹلڈ۔ آرنلڈ نے اورنگ زیب کے فرائیں اور مراسلات کا ایک علمی نسخہ مولوی عبدالسلام صاحب کے پاس دیکھا تھا آرٹلڈ کا یہ بیان اس سے ماخوذ ہے۔ رشید اختر ندوی نے یہی بیان اکام عالمگیری سے نقل کیا ہے دیکھتا ہے کہ سرکار نے اپنے ترجمہ میں ان جملوں کو حذف کر دیا ہے۔ ایڈیشن میں یہ موجود تھے۔

سوم ص ۲۷۷ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ کلکتہ۔ ایم۔ سی۔ ہمرکار ایڈیشن ۱۹۷۱ء۔
۵۵ جے نمان چندر۔ جنرل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی اپریل ۱۹۵۹ء

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک منظر

(۱) دکن کے سجادہ نشین

(۲) عمامہ واداری

اورنگ زیب عالمگیر علی اور سماجی اصلاحات کے علاوہ خاندانی نظام پر بھی نظر رکھتا تھا۔ اور اس بات پر زیادہ نظر رکھتا تھا کہ ہمارے صوفیائے کرام اور سجادہ نشین عظام صرف خاندان کے شیر نہ رہیں بلکہ قبول علامہ اقبالؒ "نکل کر خاندانوں سے ادا کریم شبیری" اشاعت، سلام و تعلیم میں کامل جدوجہد کریں اور ایک کال درویش کی طرح شرع کے سخت پابند رہیں۔ بدعات کو ترک کر دیں۔ اور اپنی درویشی کو چھوڑ کر عاجزی و خاکساری اور اخوت اسلامی کی فضا پیدا کریں۔ دکن کے سجادگان کی اسناد معاش پر عالمگیر کی ایک خاص مہربانی میری نظر سے گزری، جو مولانا حسین سجادہ نشین روضہ بزرگ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے نام ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
عالمگیر ابو النضر محمد محی الدین - بادشاہ غازی

بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا سید تقی حسینی سجادہ روضہ بزرگ مذکور کے فضل و
کمال کو سکرعالمگیر نے ملاقات کی خواہش کی تھی، مگر صوفی سرمد کے قتل کی وجہ
سے حضرت موصوف متاثر تھے اس سے آپ سے عالمگیر کی ملاقات تو ہوئی مگر حضرت
موصوف کچھ چپ چپ رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو عالمگیر نے سجادہ لگی سے معزول
کر دیا (تاریخ محمدیہ)

بادشاہ سجاد مکان کا بڑا احترام ملحوظ رکھتا تھا۔ چنانچہ فرمان مذکور جو مولانا سید
حسین ۱۷ موسومہ ہے حب ذیل الفاظ سے مخاطبت فرمائی ہے۔

”زبدۃ السادات السالکین قدوة المشایخ المتقین سید

محمد گیسو دراز علیہ الرحمہ، سیدت مرتبت حسین

سجادہ نشین روضہ مذکور سید حسین بے شرکت غرے

مرحمت فرمودیم کہ یہ لازم و مراسم آں کا منہی پرداختہ

بدعتے نگرود۔ سال بہت و نیم از مجلس والا نوشتہ شد

شہدہ جلوس عالمگیر۔ اسناد محزوزہ بجائے عام و غنیمت

گلبرگ شرج

عالمگیر اور بحری ۷ عالمگیر ایسے درویشوں کو جو شرع کے پابند نہ تھے متنبہ کرنے
سے نہیں چوکتا تھا۔ کسی نے حضرت بحریؒ کی عالمگیر سے شکایت کر دی، عالمگیر نے
قاضی لشکر حبیب اللہ کو مع خدم و حشم کے بحریؒ کی تادیب کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ
بحریؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

”نوب غازی لدین خاں فیروز جنگ برحکم بادشاہ

عالمگیر فلدائے مدہ برپڑنا یک دارث واکن گیرہ، فوج

بیکراں رسیدہ بود شغصے از مقربان نواب پیش نوب از

فقیہ نگار کرد، نواب مشائیر الیہ قاضی حبیب اللہ قاضی لشکر را کہ
 در آن روز با درویشے را بہ سبب گفتگوئے خلاف شرع شریف
 بجا نشتبہ بود طلب کرد و گفت کہ بہ تکیہ فلان فقیر کہ در گوئی است
 شما خود بروید و بنید چنانچہ گویند اگر بچھاں است بنوے
 تنبیہ نہیند، عبرت دیگران رسد، غرض بہ تکیہ فقیر
 باقشام و قدم خود رسید، و بعد سلام بہ نشست، بدن
 خود تجویز کرد کہ اگر چیزے بہ پرسر میں باید گفت کہ اے
 متوی اسلام بہ چہ بن خوش آمدن کردہ ام و آنچه بہ شما
 بہتر نماید شما بکنند، گفتگوئے دراز بہر چہیت فدا
 تعدی خیرش دہ کہ بیج نہر رسید و رفت، (عروس عروسی ملی)
 و نوائے ادب اکوہ پرستہ (۶۵۵)

عالمگیر ایک درویش منش، جفاکش اور قوی سوار تھا، اس کو شعرا کی بیجا خوشامد
 مدحت سرائی پسند نہ تھی، جب وہ لکھتا ہے کہ 'شکار کار بیکاران است' تو پھر شعر گوئی
 اس کو کب پسند آسکتی ہے۔ جب کہ اس کو مرغ بچکان گرفتار سے فرصت نہیں تاہم
 عالمگیر سخن شناس اور ذکاوت منج تھا۔ بعض وقت تفتن طبع کے طور پر شعر کہتا تھا۔ اس کے
 دور کے مشہور شعراء ناصر علی سرہندی، مرزا بسیدل، نعمت خان عالی، آرزو،
 بلکہ جعفر زلی بھی ہے جو کہتا ہے ۷۰ دریں پیر سال و ضعف بدن ۷۰ بچائی دھماچو کڑی دکن
 دکن کے شعراء میں نصرتی، ولی بابا رنجتہ، فایز دہلوی، بھرتی برکت اللہ، پمیا وغیرہ
 ہیں۔ تذکرہ شمع انجن میں عالمگیر کی ایک رباعی درج ہے، جو اس کی قبل از حصول
 تخت شاہی کی غمازی کرتی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ کہتا ہے ۷۰
 دیر دز پنے عذاب ہی گردیدم پڑمردمگے بر سر آتش دیدم

گفتم چه کرده که می سوزد زنت گفتا که درین باغ می خندیم
 مولانا شیخ محمود بحری (دکنی) بنی عالمگیر کی ایک اور رباعی کی شرح بھی خوب فرمائی ہے کیونکہ
 وہ نمایاب ہے ورج ذیل کی جاتی ہے :-

سر رباعی

سہنت راجتے درے کہ فانی گیت ماگد یا نیم مارا عیش سلطانی کجاست
 این دیوانہ را گفتم کہ عاشق شو نشد آری آری طفل را میں سبق خوانی کجاست
 ذکر مصرع نخست آنست کہ سلطان اورنگ زیب غازی
 خلد اند ملک صاحب این رباعی است سہنت راجتے درے
 خود درویشی قرار داده چنانچہ ع

گدا بادشاہت و عاشق گدا است

والحق درویش چوں بکوں یہ سہ سلطان غیبی شہادت
 می شود از جزو کل مطیع و منتقاد او گردد این سلطان و
 سہنت راجتے درے نام فانی یقین است کہ عزت نباشد و ہر کس
 حقیقہ ش می شمارد ۔ ع

ماگد یا نیم مارا عیش سلطان کجاست

ماکہ بادشاہ نیم فی الحقیقت گدا یا نیم پس مارا عیش این
 سلطانی کہ مرد ز درویشی باشد کجاست ۔ ع
 میں دین دیو زہر گفتم کہ عاقل شو نشد

سلطان شاعر الیہ پیش از جلوس تخت مایل بدرویشی
 بود می گوید کہ میں دل دیوانہ خود را گفتم کہ خبردار شو معنی سر
 بادشاہی از سر برد کن دین درویشی را از دست مرده نشیر

تقصیرات آن زبده الامثال والاقران عفو شد کسر دیکھی
نصرت آباد وغیرہ دستور شد.....

پام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر بر کاب ظفر
انتساب بفرستند کہ بنوارشات بادشاہانہ وعطائے
منصب سرلمبندی یابد.....

رہو اداری و رہنمائی کے نام جاگیرت دنگ زیبے ہندوؤں کے ساتھ بڑا الفت
اور رواداری برتی۔ چنانچہ مولف تصحیح التواریخ لکھتا ہے کہ:-

"پیار فراریافت کہ از جملہ پیشہران د مزدیوانی پنجشیر
سرکار، یک پیشکار ہندو و یک مسلمان مقرر شود۔"

مگر اس میں تاریخ فرشتہ کا حوالہ غلط ہے۔ ایشوری پرشاد ایک ہندو تاریخ
کا بیان ہے کہ "اگر مالگیر کہیں فوج روانہ کرنا تو اس کے ساتھ دو افسر مقرر کرتا
ایک ہندو دوسرا مسلمان۔" (تاریخ ہند ایشوری پرشاد بحوالہ
تصحیح التواریخ ص ۳۴)

کسی شخص نے عرضی دی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرتے ہیں آتش پرست
ہیں، ان کو برخاست کر دیا جانے۔ مالگیر نے، سی در خواست پر لکھا کہ "مذہب کو دنیا
کے کاروبار میں دخل نہیں دینا، نہ ستمات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے (پرچند
آف اسلام، آرٹیکل ۱)۔

مالگیر کی فوج میں راجپوت، سہدار بھی تھے۔ چنانچہ تاریخ اہلکے ہر
مولفہ محمد سعید مارہروی میں ان کی طویل فہرست موجود ہے۔ مثلاً
اودے سنگھ، شیو سنگھ، کالنجی وغیرہ۔

نیز اس کی فوج میں عیسائی فسر بھی تھے اور درومن کیتھولک ترجمان بھی موجود تھے۔ (سفرنامہ کریمپلی ٹالین سیاح)

عالمگیر نے ہندو قوم کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرنے میں تعصبات پر تہ چنانچہ شہزادہ خنم کی شادی راجہ انوپ سنگھ کی لڑکی سے کی (واقعات ہند)

عالمگیر نے صرف ہندوؤں بلکہ پارسی اور عیسائی قوم کے ساتھ بھی رواداری بولی جنکو مذہبی آزادی کا حق حاصل تھی۔ (سفرنامہ پٹنن ملاحظہ ہو)

مندروں کے لئے جاگیر خانہ پور (ضلع بیدر۔ دکن) کے مندر کو جاگیر دی۔ بلدیو جی کے مندر واقع مضافات ستھرا کے مصارف کے لئے بہت سے مضافات عطا کئے جو مندر کے بہت کے پاس موجود تھے۔ (مضمون بابورام نرائن منیجر ریاست رام نگر۔ خیابار سہم ستمبر ۱۹۰۷ء)

راجہ رتن سنگھ کو رتھام (مضافات ستھرا) شاہجہاں نے بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ بھائیوں میں اہم نزاع ہوئی تو عالمگیر سے بڑے بیٹے نے فریاد کی عالمگیر نے اس کو بدگمانہ جاگیر پر گنہ سیتامو میں عطا کی۔ (واقعات ہند)

ایک ہندو منگل پانڈے نے ایک مقدمہ میں عالمگیر کا فرمان پیش کیا تھا جس کا ترجمہ کرنل ٹی۔ سی۔ گلاٹ نے کیا تھا (تفصیل کے لئے دیکھو، سٹی بنارس موسف نرنجن داسل ڈیفوٹو فرین مندرجہ ذیلہ اخبار لاہور ستمبر ۱۹۰۷ء)

(ترجمہ فرمان موسومہ ابوالحسن حاکم بنارس)

ہمارا کسچی شریعت اور پاک مذہب کی رو سے یہ ناجائز

ہے کہ غیر مذہب کے قریبی منہ روں کو گریا جائے ہماری اطلاع

میں یہ بات آئی ہے کہ بعض حکام بنارس اس گرد و نواح کے

ہندوؤں پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں

دخل دیتے ہیں اور ان برہمنوں کو جن کا تعلق پرانے مندروں
سے ہے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ حکم دیا جاتا
ہے کہ آئندہ کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ
سے تنگ نہ کرے نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کرے۔ مورخہ
۱۲۵۰ جاردی الاول ۱۲۹۵ ہجری۔

نوٹ ۱۔ مگر سنہ ۱۲۹۵ ہجری میں ہو گیا۔ (تصحیح التواریخ
مصنف قاضی ظہور حسن سیواری)

مولانا سید بیان ندوی نے ہندو کش، لکیر کی دو عجیب کتابوں کا ذکر فرمایا تھا۔
جن میں ایک تو یہ۔

مست اچھرا: سنسکرت سے ذری ترجمہ، جکا مترجم لہاری جو چوری ہے اور
تین قانون اور احکام مذہبی ہندو پرستل ہے مترجم نے عالمگیر کی ان الفاظ میں
تعریف کی ہے۔

خلافت پناہ، عادات، منظر، جسم دادو کرم، قاسم
جھاو ستم.....

”دش چوں دور قسح پر نشاط“

”وزانش، تہ ایام شباب پر سرود و انبساط“.....

مصنف نواب علی وردی خان کا متوسل تملو مخطوطہ جامع علیہ دہلی مکتوبہ

۱۲۶۳ ہجری قاضی غلام محی الدین صدر امین اعلیٰ

والکفر بحجۃ القوی مصنف عبد القوی نو مسلم سابقہ نام ہرشن سانی
لکھتا ہے۔

”قبل ازیں، م فقیر ہرشن بود ایمان آورد بر دین جفرت“

رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حق است و
 کفر باطل، کفر را رد ساختہ اسلام الحق شناختہ نام
 خود را عبد القوی بہاد۔ شوال ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۰ء) از دور
 خلیفۃ الرحمن ابوالمنظہر محی الدین محمد اورنگ،
 زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی، "مخطوط جامعہ امیہ
 بحوالہ معارف جلد ۲۲، ۶۱)

جس سے ظاہر ہے کہ اہل ہندو کو کمال مذہبی آزادی حاصل تھی۔
 ہم یہاں ایک اور نادر کتاب سراج الطرقی ترجمہ ناسکیت پران کا اضافہ کرتے
 ہیں جس میں مصنف نے کال انعام کے ساتھ عالمگیر کی رواداری اور اس کی فراخ
 دلی اور صداقت پسندی اور مدح سرائی میں داد و تحسین و بلاغت دی ہے۔
 عنوان کتاب :- (سراج الطرقی ترجمہ ناسکیت پران)
 روپ ناتھ کھتری سیگل متوطن سیالکوٹ (پنجاب) نے فصیح و بلیغ فارسی میں سنکریت
 ناسکیت نامی ششی کے حالات اور تعلیمات کی ترجمانی کی۔

تہمید۔ "حمد نیایشے کہ چون کرم عام و فضل و تمام آفریدگار بہاں از
 اعطاء حصرو شمار بیرون شد و شکر دستاؤں کہ، تدفین
 کمال و رحمت شامل خداوندی الافعال از متہ عدد و
 مقدار افزوں بود لایق جناب مقدس جل جلالہ تواند
 بود....."

... کریے کہ نیکو کاری کی پسند بیکب تصناد در رحم نقشبند۔
 رحیمے کہ ازا مردہ ہی کتب سماوی بید شاستر فراواں ابواب
 عنایت بردوئے عالمیاں کشادہ، و طریق ہدایت و سبیل

غوایب در خوردن بین نموده از جمله حقوق انسانی را بخلعت شرف
متلاذذ سر فراز گردانید. الخ

و چه تعریف :- واضح می گردانند که این احقر را اکثر اوقات
شوق اصفا مفا میں فرخنده آئین سسرت و پوران و قلم آں
گریبان گیر خاطر می بود، و قلم بحسب اتفاقات حسن حکایت
ناسکیت را که برائے سالکان سالک غفلت و راه پیا یان
وادی ضلالت دلیله جویم و بادی کستیم است استعمال نموده
بخاطر ناقص رسید که آن را از زبان سنسکرت به زبان فارسی
ترجمه نماید.

در سال از جلوس اندانوس قد پوزماں خداوند
گیهان بادشاه در دیش سیرت خدا آگاه، سلطان ملک غفلت
ولایت دستگاه مروج آداب خدا پرستی و دینداری قاطع بنیان
غفلت و ناهوشیاری، موثق بتوفیق زهد و ایزد شناس
تارک آئین غفلت و ناسپاسی، بیج و مناجیح و رع و تقوی
ناسک مناسک جهد و بدی گوهر درج حقیقت، ایمان
اختر برج طریقت و ایمان یقین با خلق و مساز و بجا با حق
هم را از آنکه با وجود کثرت مشاغل سلطنت خلوص اوقات را
بر یا منت و عبادت حق تعالی معصوف میدارد، و باین همه
جاء و جلال و کثرت، اقبال از قهر و غضب الهی هر سال و
لرزان بوده، خود را از کمترین مبتدیان درگاه یزدی می شنود
غالباً توفیق ترجمه این حکایت بدیع اثر در ع پر بیرگاری

و راستی و دین داری آن بادشاہ حقائق آگاہ است ۔

شاه عالمگیر غازی بادشاہ دین پناہ
خسرو ایزد پرست و عادل و کسری نشان
وقت اوسمرون یاد ایزدی در جملہ حال
جان اوشغول ذکر غایق اندر جملہ آل
دستش از تائید بانی مویہ بے خلاف
نطق او از امر دہی حق تعالی تر حسان
خاطر معنی طرازش مطہر انوار قدس
روح صافی طینتش ہم آشیان قدسیان
جہہ اش خورشید و از لعلت بہت بری
خاطرش از کذب سچو صبح صادق برگراں

داستان غزایب پنہاں را بعبارت فارسی عام فہم ترتیب
دارد بے سراج الطریق موسوم ساخت باب اول آغاز
حکایت آفرینش تا سکیت با ازردان مادرش با اورالک
و آن شغل بر سہ فصل است ۔

(مخطوطہ کتب خانہ صفیہ حیدر آباد دکن)

(بقیہ صفحہ اورنگ زیب کی فرہی رواداری)
اس کے پچاس سالہ عہد حکومت میں ظلم و جبر کا کوئی واقعہ بھی ثابت نہیں کیا
جاسکتا۔ یہاں تک کہ کسی ہندو کے ساتھ بھی ایسا نہیں کیا۔

بیدر اور عالمگیر غازی

از سید محمد بیدری

شہر بیدر حیدر آباد دکن کے جانب مغرب (۸۰) میل پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے تین ہزار فٹ بلند ہے محل وقوع کے اعتبار سے نایت دکن کہلاتا ہے۔ سرخ رنگ کا سنگلاخ حصہ دو رنگ چلا گیا ہے۔ خیدو دھڑ دست میں راجہ جیم سین کا یہ پائے تخت تھا۔ درنگل کو جاتے ہوئے علاؤ الدین خلجی کا یہاں گند ہوا۔ تعلقہ درہ کے مقبوضہ علاقے کا یہ صدر مقام بنا۔ تعلقہ سپہ سالار اور امرائے کبار میں عمار اللک کے مقابلے میں علاؤ الدین حسن بہمنی کو اسی مقام پر کامیابی ہوئی وہ بیدر پر قبضہ کر کے دولت آباد چلا گیا۔ احمد شاہ ولی بہمنی نے بیدر کو بہمنی سلطنت کا پائے تخت بنایا۔ تقریباً ۷۰ سال بہمنی و بریدی حکمرانوں کا یہ دار السلطنت رہا۔

بیدر کی سرزمین میں بہمنی، بریدی، مغلیہ اور آصفیہ خاندان کے حکمرانوں کی یادگاریں جس حالت میں بھی اس وقت موجود ہیں وہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن ثقافت و شائستگی کے علاوہ جاہ و جلال شان و شوکت اور دولت و امارت کا پتہ دے رہی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی تباہ شدہ حالت میں بھی آبادی بے در کے محلے۔

فرمان پورہ، دبیر پورہ، چشتیہ پورہ، قادریہ پورہ، فرشی پورہ، علوی پورہ، درگاہ پورہ وغیرہ ناموں سے بھی گزشتہ دور کے تاریخی عظمت و تقدس کی جھلک نمایاں ہے۔ سلاطین بہمنی اور شاہان بریدی کے شاندار مقبروں کے علاوہ عالیہ آصفیہ خاندان کے بعض حکمران اور شہزادے بھی یہاں آسودہ ہیں۔ لیکن ان کی حکمرانی اور شان و شوکت ان کے ساتھ ختم ہو گئی البتہ ان اولیائے عظام، صوفیائے کرام، علمائے عالی مقام کی حکمرانی شاہ دگدا کے دنوں پر جو اس وقت تھی، صدیاں گزرنے کے باوجود اب بھی بلا تخصیص مذہب و ملت ہندوگان خدا کے دلوں پر جاری ہے۔ سرزمین بیدر کے ہر گوشہ میں کئی بزرگان دین آسودہ ہیں۔

از برائے ماندن عشاق منزل کردہ اند

خاک بیدر را بخون عاشقان گل کردہ اند

دکن کے اس عظیم الشان اسلامی دارالسلطنت کے متعلق ثناء اللہ شریف لکھتے ہیں۔

اعلیٰ مقام تیرا سب سے بلند و برتر کوہ ہمالیہ سے تو عمر میں ہے بڑھ کر

سر بند ادایاں میں ورد و نغریب منظر کشیر کا ہے خطہ گویا دکن کے اند

ایک سطح مرتفع پر اسے سرزمین بیدر

ہے خاک پاک تیری خاک شفا سرا خون و نالے رنگیں ہے تیرا درہ درہ

ماضی کی روشنی سے روشن ہے چہرہ تیرا ایک پتھر تیرا ایک ٹیلہ

تاریخ کا ہے دفتر اسے سرزمین بیدر

عالمگیر غازی نے جب دیکھا کہ بہمنی و بریدی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیدر پر

عادل شاہی قلعہ دار سیمرجان کی قلعہ داری ہے اند مغل فوج کے مقابلے میں

یہ مرہٹوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ مفاد پرست مسلم امرا کی ریشہ دوانیاں بھی مغلوں کے

خدا ف بڑھ رہی ہیں سدی مرجان عالمگیری فوج کے مقابلے میں مرہٹوں کے ساتھ
 سوکر بائج مرتبہ میدان میں آچکا ہے۔ اندرونی خلفشار سے زنا داران دکن کو پیر
 پھیلانے کا موقع مل گیا ہے۔ انہام تغنیم کے باوجود سدی مرجان اپنے افعال سے
 باز نہیں آ رہا ہے۔ ایسی صورت میں عالمگیر غازی نے بیدر کا رخ کیا۔ سدی مرجان
 کو اس کے کئے کی سزا دینے اور بیدر پر قبضہ کر لینے کا عزم کر لیا۔ اورنگ زیب کے
 حملہ کی خبر سن کر سدی مرجان نے تفصیل بیدر کے دروازے بند کر دئے اور
 عالمگیری فوج کے مقابلے کا سامان تیار کیا۔ بریدی دور کے منڈلہ برج پر گولہ باروت
 کا ذخیرہ کیا۔ آبادی بیدر سے قریب جانب مغرب عالمگیری فوج خیمہ زن تھی۔
 سدی مرجان نے مغل فوج پر عین اس وقت گولہ باری کی جب کہ فوج نماز کے لئے
 صف بستہ تھی۔ جیسے ہی توپ چلی باروت کے کوٹھے کو آگ لگ گئی اور اس کے
 دھماکے سے سدی مرجان اور اس کے دو بیٹے اسی وقت جاں بحق ہوئے۔

عالمگیر غازی کے لئے قدرت کی طرف سے میدان

صاف ہو گیا۔ اٹھائیس دن کے محاصرہ کے بعد ۲۴ ربیع الثانی ۱۶۶۷ء کو
 بیدر پر عالمگیر کا قبضہ ہو گیا۔ قلعہ کی چابیاں سدی مرجان کی بیگم نے عالمگیری خدمت
 میں پیش کر دیں ابوالمنظر محی الدین اورنگ زیب نے اس شہر کو محمد آباد بیدر کے
 بجائے ظفر آباد بیدر سے موسوم کیا اور مغلیہ حکومت کا صوبہ قرار دیا۔ رفعت
 بیدر می لئے نالہ رفعت میں اسی نام سے خطاب کیا ہے۔

اے ظفر آباد اے فخر دیار دم شام اے مسابزون کے لمجا اور ساوا انام
 فرس و ترک و رومی و حبشی ہونی کا تھا شرق سے تھی غرب تک تیری ہشید و صوم عام

سرزمین تیری سدا فخر دیار ہند تھی
 رات دن پیش نظر تیرے بہار ہند تھی

ہیمند میں عالمگیری آثار

کالی مسجد جس میدان میں عالمگیری فوج خیمہ زن تھی وہاں عالمگیر نے ایک مسجد تعمیر کر دی۔ یہ فن تعمیر اور رنگ تراشی و بندش کے اعتبار سے مستحکم اور خوبصورت عمارت ہے۔ کالی مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ ایک عرصہ تک غیر آباد رہی۔ ریلوے اسٹیشن اور گاندھی گنج اس مسجد کے قریب تعمیر ہونے سے میرالدین صاحب برادر قلعہ دار بھارت نے اس کو آباد کیا۔ چوتھے اذان اور نماز کا انتظام ہے۔

فتح برج سدی مرجان قلعہ اور بیدرنے جس منڈلہ برج سے توپ چلائی تھی عالمگیر نے اس برج کا نام فتح برج رکھا۔ اور ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کر دی۔ تفصیل بیدرنے برجوں میں یہ بڑا برج ہے۔ اور بریدی دور کی ایک بڑی توپ اب بھی وہاں موجود ہے جس پر محمود عالمی جاہ برید کا کتبہ ہے۔ بیدرنے کی بڑی توپوں میں اس کا شمار ہے۔

فتح دروازہ عالمگیر اس کی فتح جس دروازے سے شہر میں داخل ہوئی سابق میں اس کا نام "نورس دروازہ" تھا۔ عالمگیر نے فتح یابی کی یادگار میں اس کا نام فتح دروازہ رکھا۔ آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اور شہر کے جنوب میں واقع ہے عالمگیری دور کی آہنی تختی حسب ذیل عبارت کی نصیب ہے۔

"روز جمعہ ۵ ارشہر ربیع الثانی سلسلہ جلوس مہمنت مانوس

حضرت قدر و قدرت"

"جم جاہ ملائک سپاہ ابوالمنظر محی الدین اورنگ زیب

عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ"

موافق عتشلہ ہجری نبوی در صوبہ داری گترین ہنگن

”ایں دروازہ صورت اتمام پذیر رفت“

سُرک عالمگیری دوسرا اور چار دروازوں پر اسی عبارت کی تختیاں تبدیل تاریخ کے ساتھ نصب ہیں فیصل بیدر کے بیرونی حصے میں جانب مغرب محلہ شاہ گنج میں عالمگیری دور کی سُرک اور مسجد ہے ہندوستان میں عموماً اور دکن میں خصوصاً عالمگیری سُرکی اکثر جگہ موجود ہیں۔ یہ سُرک ایک وسیع اماطہ میں محصور ہے۔ اور چاروں طرف پختہ سنگ سیاہ کے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ مغربی سمت میں مسجد ہے عالمگیر غازی نے برحق معاش دارنگی اور پیش امامی مسجد کا بھی انتظام کیا تھا۔ حال تک سید علی اس خدمت کو انجام دیتے رہے اور تقریباً سو سال کی عمر میں شہداء کو انتقال ہوا۔ ان کے رط کے بھی اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔ بھارت کے حالیہ احکام بر فاشگی انعامات کے سلسلے میں معاش برخواست ہو گئی ہے۔

روضہ شاہ علی قادری الملتانی کالی سہد کے یعنی حصے میں حضرت شاہ علی قادری الملتانی کا روضہ ہے۔ عالمگیری دور کی سنگ سیاہ کی پختہ کمان دار مسجد ہے کمان پر یہ کتبہ ہے۔

سلطان علی ابن شاہ خلیل اللہ

بندہ درگاہ رسول اللہ

مسجد پر یہ کتبہ نصب ہے۔

در زمانِ عدل عالمگیر شاہ

شد بنائے ایں مکانِ فیض بخش

شد بنائے مسجد توفیق اللہ

گشت بر خوردار نیک از روضے عشق

سال تار بخش ہیں جستم بہ عدل

(ششہ ۱)

گفت با توفیق معدنِ فیضِ ابد

حویلی کلاں بیدر کے محلہ منار تعلیم میں آصفیہ دور کی دو حویلیاں ہیں جو چھٹی حویلی

اود بڑی حویلی کے نام سے موسوم ہیں بڑی حویلی کی شمال رو یہ دیوار میں عالمگیری عہد کے چند
کتبے نصب ہیں۔ یہ کتبے اود گیر کے قلعہ دار عالم خاں نے اپنے دور قلعہ داری میں
کنندہ کرائے تھے۔ اود گیر سے یہ کتبے احمد حسین قلعہ دار وقت نے
منگوائے تھے۔

یافت در عہد شاہ عالمگیر قلعہ داری قلعہ اود گیر
کمزرب خانہ زاد عالم خاں کہ برآں اعتقاد داشت ضمیر
در سنہ الفاربع و تسعین کرد این قلعہ و لکشا تعمیر
۵ توں کردن تمامی عمر را مصروف آب و گل
کہ شاید یکدمے صاحب دے در و کند منزل

نواب نادر الدولہ آصف جاہ رابع اسی حویلی میں ۲۲ رمضان المبارک ۱۱۸۷ھ
کو تولد ہوئے سابق میں یہ کسی قلعہ دار کا مکان تھا۔ نواب صاحب کی ولادت گماہ
ہونے کے سبب مکان میں توسیع ہوئی جو حویلی کے نام سے موسوم ہے۔
آصف نواز الملک مستند صرف خاص شاہی نے اس کی توسیع میں کافی
دبچسپی لی۔

مسجد فرح باغ اورنگ زیب عالمگیر کے مشہور سپہ سالار مختار خان احمینی
سبزواری عویہ دار بیدر کا باغ ۱۱۸۷ھ کا تیار کردہ مع مسجد ایک پر نقبہ مقام پر
زیرین گھاٹ واقع ہے مسجد پر حسب ذیل کتبہ ہے۔

”چوں بہت والا خدیو دین پناہ مومن عند اللہ ابو المنظر

۹-۲

محی الدین محمد اورنگ زیب“

”عالمگیر بادشاہ نمازی بر نصرت دین اسلام المکروف و

معطوف است۔“

”کترین بندگان بخار خاں العینی سبزواری ناظم صوبہ نفل آباد
تخریب بیت خانہ“

”مسجد و باغ پرداخت - بتاریخ بیت و بنیم
شہر بیج الاول سکنہ جلوس موافق سنہ ہجری ۱۲۸۵
”مطابق این مصرع تاریخ“

”بت کردہ مسجد شدہ از لطف حق“

”بصایات ملک العلام صورت اتمام یافت از غایت
خوبی و دلنشینی - باغ فرح -

”موسوم گردانید - بفرزند بلند از عمر و دولت برخوردار“

بزم الدین محمد ظاہ فرزند سعادت مند مرزا قمر الدین

محمد یحیی ساخت

مسجد کے عقیقی جانب گھاٹ کے زیرین حصہ میں پانی کی دو در تک سرنگ چلی گئی ہے
سرنگ کے آخری حصہ میں مندر ہے - ہندو ہر روز بجاتے اور اپنے رسوم ادا کرتے
ہیں - اس وقت فرح باغ پر کمال طور پر ہندو قابض ہیں - پولس ایکشن کے بعد
مسجد کا کچھ حصہ شہید کر دیا ہے - اور مسجد کو بھی اپنے تصرف میں لا رہے ہیں -

روضہ شاہ علی قادریؒ کالی مسجد کے عقیقی حصہ میں جانب مغرب حضرت شاہ
علی قادری الملتانیؒ کا روضہ ہے آپ کے جد اعلیٰ حضرت شاہ فتح اللہ قادریؒ

پاکستان کے مشہور شہر ملتان سے بھٹی دور میں بیدر آئے - بیدر میں آپ کا
وسیع خاندان ہے آپ کے سلسلہ سے حضرت شاہ علی قادریؒ اپنے وقت کے
مشہور بزرگ تھے ، عالمگیر غازی کے دور حکمرانی میں آپ کے روضہ کی بڑی تعمیر ہوئی اور کمان
و مسجد بھی اسی دور کی یادگار ہے -

کمان پر یہ عبارت کندہ ہے - ۵

سلطان علی ابن شاہ خلیل اللہ

بندہ درگاہ رسول اللہ

مسجد کے کتبہ میں یہ اشعار کندہ ہیں۔

دور زبان عدل عالمگیر شاہ

شد بنائے اس مکان فیض بخش

شد بنائے مسجد توفیق الہ

گشت برخودار نیک از روز عشق

گفت ہاتھ معدن فیض الہ (۱۰۹۰)

سال تدریش ہمیں حستم بہ عدل

اسی احاطہ میں قادر یہ خاندان کے چند بزرگوں کے بھی مزار ہیں اور ایک نامتو

گنبد ہے۔ موٹ کشی کی ایک بڑی باولی بہت جس پر عالمگیری دور کا یہ کتبہ ہے۔

”بغایت الہی..... حضرت حسین شہید..... ایں چاہ

نمودہ موسومہ بہ حسین باولی ساخت۔ کمترین خلق خدا محمد

سومین جلالی۔ تاریخ ۵ محرم الحرام ۱۲۸۵ ہجری نبوی

علی بلخ اندرون فیصل بیدر سلطان علی برید شاہ کا تعمیر کردہ باغ اور کئی محل تھے۔ یہ

باغ ایک ہزار گز طویل اور ایک ہزار گز عریض تھا۔ باغ کے ہر حصہ میں تھوڑی مٹھوڑی

دور پر کسبج باولیاں تھیں اور ایک بڑا حوض بھی تھا برید شاہی کے خاتمہ کے بعد یہ باغ

بھی اجڑ گیا۔ اور ایک محل میں سرکاری پیتے باندھے جانے لگے۔ جو اس وقت

چیتہ خانے کے نام سے موسوم ہے۔ محمد اکرام الدین خاں کاکووی نے اپنی تعلیمی

کے زمانہ میں ۱۳۱۷ھ میں ستر ہزار روپیہ کے سرفہ سے حوض پر مدرسہ فوقانیہ کی عمارت

تعمیر کی اور حوض کے بچوں پر بیچ عالمگیری قلعہ دار قلندر خاں کا تعمیر کردہ مکان کا کتبہ

نکال کر بیدر کے قلعہ کی مسجد میں نصب کر دیا۔ کتبہ نہایت خوش خط اور جاذب

نظر ہے۔ خط نستعلیق ہے اور یہ اشعار کندہ ہیں۔

بہ دور شاہ عالمگیر غازی کہ از عدلش شدہ گیتی منور

قلندر خاں بہار باغ دولت کہ از بوش جہاں گشتہ معطر
 بہ پیش آفتاب دست جودش بود در یادگان از ذرہ کثر
 روائے ساخت بہر یادگارے کہ باشد زیر این فیروزہ منظر
 پئے تاریخ ادا و ظارم چرخ نہ آمد کہ خالی روئے بیدر (۱۰۸۸)

عالمگیری دروازہ دکن کے قلعوں میں بیدر کا مشہور قلعہ ہے قلعہ کے دروازوں
 میں ایک دروازہ شیرزہ دروازہ ہے موصوم ہے۔ اس پر پہنی زمانہ کا عربی
 رسم الخط میں بے نظیر خطبہ ہے۔ اس دروازے پر عالمگیر غازی نے ایک اور دروازہ
 آہنی تیار کر کے نصب کرایا جو نہایت شاندار اور مستحکم ہے۔ اس پر حسبِ قیاس
 کتبہ ہے۔

”روز چہار شنبہ ۱۰ رجب المرجب ۱۰۸۸ جلوس
 میمنت مانوس قد و قدت جم جاہ، ملائک سپاہ ابوالمظفر
 محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ
 ملکہ و سلطنتہ، موافق سلسلہ ہجری نبوی در صوبہ داری
 کترین بندگان جاں نثار خاں الحسینی سبزواری اس دروازہ
 عورت تمام پذیر رفت۔“

اسی طرح شاہ گنج دروازہ پر بھی آہنی تختی نصب کر دی گئی ہے اس پر بھی مندرجہ
 عبارت کندہ ہے البتہ تاریخ پانزدہم شہر شوال سلسلہ جلوس موافق سلسلہ ہجری نبوی
 صوبہ داری مختار خاں الحسینی سبزواری درج ہے۔

دل ہل رہا ہے قلعہ بیدر کی دید پر لڑی ہوئی نفیل تو اڑے ہو کھنڈر
 آئینہ دار شوکت ماضی میں بامِ درد وہ ہیں تباہیاں کہ کتر گئے جگر
 ایسی نزاکتیں ہیں کہ پہونچتا نہیں خیال رگیں محل میں بندہ بگنی جمال

چاندنی چبوترہ محلہ نیا تعلیم بید میں فیصل کے متحمل چاندنی چبوترہ کے نام سے عالمگیر کے دور کے آثار میں شمار ہے۔ مسجد اور محل بھی تھا۔ محل کے آثار تو کچھ کچھ باقی ہیں مسجد خراب و خستہ حالت میں تھی اب آباد کردی گئی ہے۔ یہ آثار عالمگیری دور میں ملکہ نور جہاں بیگم کے بھائی آصف الدولہ کے پوتے نواب حسام اللہ خاں نے اپنی صوبیداری میں تعمیر کرائے تھے۔ اس زمانہ کا کتبہ بھی مسجد پر نصب ہے اس کے علاوہ خاتواہ قادریہ پورہ مسجد مدرس پورہ کی مسجد، فتح دروازہ سے باہر کالی مسجد شانی، درگاہ حضرت مبارک شعلہ رخ، عالمگیری آثار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان میں بعض پر کتبے بھی موجود ہیں۔ جو طوالت کے سبب نہیں لکھے گئے آثار کے علاوہ بید کے قریب جوار میں چند موانعات ایسے ہیں جو اورنگ زیب عالمگیر کے نام سے منسوب ہیں۔ موضع اورنگ نگر، موضع اورنگ آباد، موضع عالمگیری اب بھی آباد اور اچھی حالت میں ہیں۔ عالمگیری اسناد میں ان کا ذکر آئے گا۔

خانان پور کی مسجد بید سے (۱۲) میل پر خانان پور (خانہ پور) نام کا ایک غیر آباد موضع ہے، بہمنی دور میں یہ آباد تھا۔ عالمگیر غازی کے زمانہ میں بھی یہاں آبادی تھی۔ اس نے یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ مسجد بچت اور شاندار ہے۔

فدوی کے پاس جو تاریخی دستاویزات و نوادرات ہیں ان میں بہمنی، عادل شاہی، قطب شاہی اور برید شاہی فرامین و اسناد کے علاوہ شاہجہانی و عالمگیری اسناد بھی ہیں اور فتادی عالمگیری کا اصل وہ مخطوطہ بھی ہے جو عربی زبان میں مرتب ہوا تھا اور مغلیہ کتب خانہ کی زیب و زینت بنا تھا یہ مخطوطہ مطلقاً اور خوشخط ہے۔ صاف اور ستھری حالت میں ہے۔ ابتدا میں ایک دیباچہ بھی درج ہے اس کے ابتدائی درق پر کئی مہر ثبت تھیں ان میں سے تین مہر نمایاں ہیں باقی کسی نے عمداً مسخ کر دی ہیں۔ ایک مہر علی نقی شاہ کی ہے دوسری نواب سراج الدولہ

سندات عالمگیری

(۱) بیدر سے ۲۴ میل پر جانب مغرب بہاؤلی ایک مقام ہے خدمت طبابت کے سلسلہ میں عالمگیر نازی نے حکیم پنڈت نارد متونی کے بیٹوں کے نام ڈھائی چاور زمین انعام میں دی تھی۔ دیانت خاں ندوی عالمگیر بادشاہ کی مہر ثبت ہے۔

سند کی عبارت ظہری ملاحظہ ہو۔

”گماشتہ اسے مقدمان بہات خاں واستقبال پرگنہ
بہاؤلی صوبہ محمد آباد عرف ظفر آباد بداند کہ بموجب تجویز
نامہ بہر سزاوار خاں قلعہ دار و میر محمد جعفر دیوان صوبہ
موازی دو و نیم چاور زمین یکسر شرعی و رسی بشرط خدمت
طبابت بیماراں و معالجہ رنجوراں سکنتہ قلعہ از پرگنہ مذکور
بنام پھن و دیتا پسران نارد متونی مقرر گشتہ و مطابق
آں پروانہ بشرح و لبط بہر عمدہ و ذرا اسے مالی شان۔ بلند
مکان جماعت الملک مدار البام حاصل نموده باید کہ موافق سند
مذکور مل نموده آراضی مذکور را حسب الضمن بہستوزار و متونی
بتصرف پھن و دیتا مذکور و اگزار محمد کہ حاصل آں راضی
نمودہ بمجیعت خاطر تقدیم خدمت پردازند۔“

جمادی الاول ۱۰۷۷ جلوس قلعہ

(۲) عالمگیر بادشاہ نازی نے بیدر کے ایک بزرگ حضرت شاہ محبت قادری

المتانی کے نام دو سو ساٹھ روپے پانچ روپیہ محاصل کی اراضی مرد معاش کے عنوان سے عطا کی تھی یہ سنہ ۱۱۳۸ھ رمضان ۱۰۷۰ھ جلوس کو دی گئی اس کی چار مہریں ثبت ہیں۔ پہلی مہر امین خاں، مرید شاہ عالمگیر بادشاہ غازی (دوسری) اسد خاں، بندہ بادشاہ عالمگیر غازی ۱۱۳۸ھ (تیسری) خان جہاں، خانہ زاد بادشاہ محمد عالمگیر غازی ۱۱۳۸ھ (چوتھی) عنایت خاں، خانہ زاد عالمگیر بادشاہ غازی ۱۱۳۸ھ۔

سند کی اصل عبارت بہ نظر طوالت نہیں لکھی گئی۔ اس سند، صرف اسناد کا حوالہ دیا جائے گا۔

(۳) فرمان شاہ جہاں بادشاہ غازی اطخرا مربع شکل میں ہے۔ اس کے نیچے اورنگ زیب عالمگیر کا بھی طغرا ہے۔ اس کے علاوہ عالمگیر غازی کی مہر بھی ثبت ہے ہر شہر صفر ۱۱۳۸ھ کا زمان ہے۔ پاکستان کے مشہور شہر ملتان سے بہمنی زمانہ میں حضرت شاد فتح اللہ قادری المتانیؒ فرزند سید ابراہیم قادری المتانی کو ساتھ لئے ہوئے آئے آئے۔ شاہ فتح اللہ قادری کا مزار مید میں جانب مغرب عید گاہ کے قریب ہے۔ شاہ ابراہیم قادری المتانی علوم ظاہری و باطنی کے سبب دربار بہمنی سے منسلک ہو گئے اور بیدر کے قاضی القضا کی جلیل القدر خدمت عطا کی گئی۔ ان کے تفصیلی حالات کتاب کی صورت میں مرتب ہو چکے ہیں خدا چاہا تو جلد از جلد اس کو طبع کر دیا جائے گا۔

(۴) عالمگیر بادشاہ غازی نے سید محمد میران بی بی کے نام آٹھ بیگہ زمین معاش کی سند عطا کی تھی۔ اس موضع کرسٹھ حال پرگنہ نور صوبہ سرکار محمد آباد بیدر کی مسجد سے متعلق بمعاضہ خدمت امامت و موزنی و جاروب کشی کی شرط درج ہے۔

(۵) بیدر کے متصل دو بیگہ زمین سنگزار برائے تعمیر مقبرہ حضرت شاد علی

قادری اللہانیؒ بموجب پروانہ قلند خاں صوبہ دار بنجم شہر راج الاول شہزادہ نبوی عالمگیری سند عطا ہوئی ہے۔ حویلی طغرا آباد کے متصدیوں کو بھی مطلع کرنے کی اس میں صراحت ہے۔

(۶) درگاہ حضرت سید عبداللہ صاحب مغربی کے متولی سید ولی کے نام تین چار زمین مرد معاش بید کے مواضعات بردی پاڑ اور علی آباد میں عالمگیری سند کے ذریعہ عطا ہوئی یہ سند شہزادہ کی ہے۔

(۷) سدی مرجان قلندار بید کے بیوں کے نام دو چار زمین مواضعات چلرگی اور پیارورام میں عطا ہوئی۔ عالمگیر غازی کی شجر فی رنگ کی مہر مربع شکل میں اس سند پر ثبت ہے۔ اور ایک طغرا بھی ہے اس کے علاوہ عاید خاں اشرف خاں مسعود خاں کی مہر میں بھی ثبت ہیں یہ سند شہزادہ ہجری کو عطا ہوئی ہے۔

(۸) افواج بہمنی کے سپہ سالار حکیم فخر الملک گیلانی کا شاندار گنبد بید سے ۶ میل پر واقع ہے اور اسی سے ملحقہ موضع قنچو ہے اس منبرہ کے خادموں میں سید نور کے نام سے عالمگیر غازی نے انعامی زمین عطا کی تھی عالمگیر غازی کی مہر کے علاوہ وزارت خاں عالمگیری کی مہر بھی سند پر ثبت ہے۔

اور بھی عالمگیری دور کی اسناد اور مخطوطات ہیں اس مختصر مقالہ میں ان کو بوجہ قلتِ نجات قلند نہیں کیا گیا۔

سرد خواجہ محمود گادواں پر عالمگیر غازی کی شاہانہ توجہ

بہمنی دور میں محمد شاہ بہمنی کا وزیر اعظم خواجہ محمود گادواں نے ذاتی صرفہ سے دس دتھریس کے لئے ایک شاندار عمارت تعمیر کی تھی یہ چار منزلہ عمارت

تھی شرق جانب اس کا صدر دروازہ تھا۔ اس دروازے والی دیوار کے دو نو گوشوں پر دو بلند مینار تھے رخنہ نگکاری اور چینی کے رنگارنگ ٹاکس کے بڑے بڑے حروف میں آیات قرآنی بڑی خوبی سے چسپاں کی گئی تھیں۔ آج تک ان کی چلا اور خوبی عمارت کے ہاتھ اندر سے پردہ کھائی دیتی ہے۔ ہند اور پاکستان میں عربی و فارسی علوم کا یہ واحد مرکز تھا۔ دور دور سے ملائے کرا مہاجر جمع ہو گئے تھے۔ خواجہ محمود گادواں کے قتل اور بہمنی خاندان کے خاتمہ کے بعد شاہان بریدی کے زمانہ میں طوائف السکوک کا دور دورہ رہا بیجا پور کے عادل شاہیوں نے بیدر پر قبضہ کیا۔ ایسے زمانہ میں مدرسہ کے درس و تدریس کا انتظام بھی درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ کے لکڑی کے دروازے صندل و آبنوس کا عہد مطلق و مذہب کام کی پخت بھی اکھڑے گئے اور خالی خالی پتھروں کی عمارت سے ضرورتاً فوجی میگزین کا کام لیا جانے لگا۔ عالمگیر غازی نے مدرسہ کی بے کسی اور بربادی سے متاثر ہو کر اسکی درستی اور تعمیر و ترمیم کا انتظام کیا۔ اور حکم دیا کہ پچھلی حالت پر لانے کی کوشش کی جائے صوبہ داران انتشار خاں، مختار خاں اور قلند خاں نے اس کو اصل حالت پر لانے کی کوشش کی اور اس میں درس و تدریس کا کام بھی شروع کر دیا عالمگیر غازی نے بیجا پور کے نامور عالم اور مقدس بزرگ مولانا صبیحۃ اللہ مدنی کے جانشین مولانا محمد حسین کو منتخب فرما کر اس مدرسہ کی جلیل خدمت امام المذہب پر یا مور فرمایا۔ اور مدد و معاش کے طور پر کوٹھور وغیرہ مواضعات جائگہ میں دے دیے۔ دس سال آپ نے خدمت کی اور کئی تشنہ کا مانا علم نے فیض پایا جامعہ محمود گادواں کے نام سے میں نے ایک کتاب لکھی ہے جو مسودہ کی شکل میں ہے۔

مولانا محمد حسین مولا محمد اپنے وقت کے بزرگ کامل تھے۔ روکئی کتابوں کے مصنف بھی ان میں سے ایک کتاب کا نام عقائد حسینی ہے۔ عہد مالگیری میں اور رمضان المبارک مسئلہ پیری کو آپ مسجد کی مسجد میں نماز تراویح پڑھا رہے تھے کہ عمارت مدرسہ پیر پٹی گری جس کے صدر سے عمارت مدرسہ کا کوئی نصف حصہ منہدم ہو گیا اور مولانا محمد حسین صاحب قید بھی اُسی وقت شہید ہوئے عالمگیر غازی کو اس کی خبر ہوئی۔ مزارخان قلعہ دار نے عمارت مدرسہ کے ایک حصہ میں بارود رکھ دی تھی جس کے سبب مدرسہ کی عمارت کو زیادہ نقصان پہونچا۔ مزارخان کو معزول کر دیا اور آلہ بھیج دیا گیا۔ مولانا محمد حسین صاحب کا مزار لائی مسجد کے میدان میں ایک حصار کے اندر ہے۔

تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کی روئے قدسباں کے نام کی ایک قلعہ کی کتاب میرے محراب خانہ میں ہے اس میں لکھا ہے کہ مولانا محمد حسین صاحب قید کو عالمگیر غازی نے ہم طہای کا بھی غرق بخشا تھا۔

عالمگیری قلعہ دار بیدریں مالگیری قلعہ داروں میں سے قلعہ دار نواب افتخار خاں ہوتے تھے میں ان کا مالوسے کی صوبیداری پر تبادلہ ہوا قلعہ دار بیدر کے وقت آپ کی بیگم فاطمہ خاتون کا بیدریں انتقال ہوا ان کا روضہ کالی مسجد کے مغرب میں چارچن کے نام سے مشہور ہے چھوٹی پختہ گنبد دار مسجد بھی ہے۔ وقت کی تعمیر کردہ ہے آپ کے سلسلہ خاندان سے بیدریں ایک محل آباد ہے جو فرش پورہ کے نام سے موسوم ہے۔ خاکسار بھی اسی خاندان کی ایک دینی یادگار ہے روضہ پر میرے افراد خاندان قابض تھے ہیں۔ میرے والد موبہی سید سید صاحب اور والدہ مرحومہ اور میرے بہت سے افراد خاندان اسی روضہ میں آسودہ ہیں

افتخار خاں کے بعد خان زماں خاں ولد خان اعظم خاں جہانگیری قلعہ دار ہو ان کی
مرت قلعہ داری چھ مہینہ ہے۔

خان زماں خاں کے بعد مختار خاں سبزوادی ششم میں قلعہ دار ہوئے ان کا مالوہ
تبادلہ ہونے پر ان کے بیٹے جاں نثار خاں قلعہ دار ہوئے ان کے زمانہ میں عالمگیر
بادشاہ غازی نے مشتبہ بھری میں گو لکنڈہ کے بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ کو ایک
سال تک بیدر کے قلعہ میں رکھا۔

جاں نثار خاں کے بعد آصفیہ خاندان کے جد علی خواجہ عابد قلعہ دار خاں بیدر
کے قلعہ دار مقرر ہوئے۔ عالمگیر کے ساتھ گو لکنڈہ کے محاصرہ میں آپ شہید ہو گئے
ان کے بعد رستم خاں بیدر کے قلعہ دار ہوئے۔ یہاں سے حیدر آباد کی قلعہ داری
پر گئے۔ رستم خاں کی جگہ قلندر خاں ششم بھری میں بیدر کے صوبہ دار ہوئے
قلندر خاں کی جگہ ان کے بیٹے قباد خاں کو لی۔ قباد خاں اڑیسہ کی صوبہ داری پر جلتے
سے حسام الدین خاں ان کی جگہ قلعہ دار ہوئے ششم میں عالمگیر کی طرف سے
حسام الملک کا خطاب عطا ہوا۔

حسام الدین خاں کے بعد مکر خان زماں خاں آئے لیکن چند روزہ کراونگ
آباد چلے گئے ان کی جگہ جلال الدین خاں ہوئے لیکن بہت جلد علیحدہ کر دیے گئے۔
جلال الدین خاں کے بعد حسام اللہ خاں کے بیٹے سزاوار خاں صوبہ دار ہوئے۔
مرد محمود گاداں پر بجلی کرنے کے بعد آپ کو ادگیر بھیج دیا گیا اور ان کی جگہ راجہ
انوپ سنگ قلعہ دار مقرر ہوئے۔ یہاں تک عالمگیری دور کے قلعہ داران بیدر کا
اندراج کر دیا گیا ہے۔

حضرت عالمگیر اور علامہ قبال

زید بسملہ خواجہ

حضرت عالمگیر کی شخصیت جامع حالات تھی یہ سربراہ اسے مسند بھی اور ساتھ ہی ساتھ ایک پوری لشکر و رویش بھی، ایک بہادر اور جہری سپاہی بھی تھے اور ایک عالم باطل بھی دنیا کے یک بڑے فاتح بھی تھے اور مجددِ مزارِ عزت نشین بھی۔ سورِ سلطنت کے استفادہ کے ساتھ ساتھ یاد الہی بھی جاری رہتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہمہ گیر اور عظیم شخصیت میں علامہ کے حواس اور مردم شناسی کے سنے بہت سادہ و بنیادی تھے۔ دراصل علامہ کو تو حضرت عالمگیر کی ذات گرمی میں اپنے اس شہداءِ غیہ نظر آتا تھا۔

خود کی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے فخر دپوچھے تیری رضا کیا ہے

یہ اس دل آویزی اور دل کشی کا نتیجہ ہی تھا کہ جیسے ہی علامہ کو موقع ملا حضرت عالمگیر

کے مزار پر انظارِ پُرانہا عقیدت کے نئے عالم ہوئے۔ اس عالم کی کا ذکر کرتے ہوئے

علامہ نے عہدِ بیگم کو اپنے ایک خط میں یہ راجی سنہ ۱۰۱۷ء کو لکھا: حیدر آباد سے دہلی

پر چلے حضرت عالمگیر کے مزار پر انوارِ پرہیزگار کی دینی تھی۔ حضرت پر میں ایک ایسی سحرگاہ آرا

نظم لکھوں گا جس کی نظیر اردو خواںِ محراب کی نظیر سے نہ گندی ہوگی۔ اس کے بعد اپریل

سنہ ۱۰۱۸ء کو اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ "ان دنوں طبیعتِ شعرگاہ کی طرف متوجہ نہیں رہی

ہے ایک بار بھر لکھا۔" شاید حضرت عالمگیر پر جن کے مزار پر انوار کی زیارت کی حدت

حال ہی میں نصیب ہوئی تھی میری نظم چھپ گئی۔ یہ دنیا سب ادب کی بد نصیبی تھی کہ کردہاتِ زمانہ نے علامہ مرحوم کو اتنی محبت نہ دی کہ وہ اپنے نیک ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے۔ مگر علامہ نے اس فقیر منش شہنشاہ کو اپنا خراج عقیدت ان اشعار میں پیش کیا ہے جو رموزِ خودی میں شامل ہیں۔ اور جب تک دنیا میں فارسی زمرہ ہے اور دنیا میں ابوب وین موجود ہیں یہ پڑھنے والوں کی رگوں کو گراہتے رہیں گے۔ اور ان کے ایمانوں کو تسویت پہنچاتے رہیں گے۔ ان اشعار کا تفصیلی ذکر تو ہم بعد میں کریں گے یہاں یک اوداہم واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے وہ اشعار جو رموزِ خودی میں شامل ہیں ابھی تصنیف نہیں ہوئے تھے کہ سنہ ۱۹۱۰ء ہی میں علامہ نے اپنی عقیدت کا ہدیہ پیش کرنے کے لئے ایک اور موقع نکال لیا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ سنہ ۱۹۱۰ء میں علامہ نے بعض موضوعات پر اپنے خیالات کو ایک بیامن میں قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ ویسے تو اس بیامن میں علامہ نے اپنے خیالاتِ عالی کا انہار نہایت اختصار سے کیا ہے مگر حضرت عالمگیر کے متعلق اپنے تاثرات کو ایک خاصہ لمبوی شذرہ میں قلمبند کیا ہے۔ اس شذرہ میں علامہ نے حضرت عالمگیر کی بابت نہایت مخلصانہ گہریت ججے تلے الفاظ کا انہار کیا ہے علامہ فرماتے ہیں "حضرت اورنگ زیب کا سیاسی شعور نہایت جامع تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا واحد مقصد اس ملک کی مختلف اقوام کو ایک ہمہ گیر سلطنت میں ضم کرنا تھا۔ اس شذرہ میں آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں "شیواجی ان کی حکومت کی وجہ سے معرمن وجود میں نہیں آیا تھا اس مرہٹہ کو رد بکار لانے کا اصلی سبب وہ معاشی اور سیاسی تحریکات تھیں جن کا اصل محرک اکبر کا سترپا غلط طرزِ عمل تھا اورنگ زیب کا سیاسی شعور بالکل صحیح اور صائب ہونے کے باوجود ذرا دیر میں ظہور پذیر ہوا۔ پھر بھی ان کے سیاسی شعور کی ماہیت پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اورنگ زیب

ہی کو اصل اس بزرگوار میں اسلامی قومیت کا اصلی بانی قرار دیا جاتا چاہئے۔ علامہ مرحوم کو اپنی اس رائے پر یقین و ثقیق تھا۔ لہذا فرماتے ہیں مجھ کو یقین ہے کہ آئندہ نسیم ایک دن میری اس رائے کی صحت کی معترف ہوں گی۔ علامہ اعلیٰ پایہ کے ادبی فنکار تھے۔ اور اپنی تصنیف میں خواہ وہ شعر میں ہو یا نظم میں الفاظ کا انتخاب نہایت ذوقِ نسیم سے کرتے تھے۔ میں نے یہاں مدرسہ کے تاثرات کا ترجمہ اپنی بھونڈی زبان میں کر دیا ہے مگر یہ پورا نشانہ مسلسل نگریزی میں ایک رائے سے معنے ملتے ہوئے ہے۔

آج جب اہم بد پاکستان کے بزرگوار تاریخ پر غور کرتے ہیں تو علامہ کے ایک ایک لفظ کی صداقت کا یقین ہوتا ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے یہ شذرہ زیادہ عویل نہیں ہے مگر اس کے ہر لفظ سے مدرسہ کے تاریخی وجدان اور حقیقت شناسی کا اظہار ہوتا ہے کاش کو ان فزمانہ علامہ کو اتنی مہلت دیتے کہ علامہ حضرت مالگیر پر کوئی نیکم تصنیف رقم فرماتے علامہ کو ہمیشہ تاریخ کے مطالعہ کا شوق رہا۔ اور وہ تاریخ کی قومی روایات کی تعمیر میں اس اہمیت کو خوب سمجھتے تھے لہذا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ حضرت مالگیر پر کوئی کتاب لکھتے تو انگریز اور ہندو مصنفین کے جوئے پر وپیڈ سے اور دروغ بیانیوں کا ایک منہ توڑ جواب ہوتا۔ ویسے تو انگریز اور ہندو مصنفین ہمیشہ حضرت مالگیر کی بابت دروغ بیانی سے کام لیتے رہے گران دروغ گو یوں کا سربراہ ایک شخص جواد ناتھ سرکار تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے اپنی زندگی کا واحد مقصد اسلام کے مجاہد اعظم حضرت مالگیر کے خلاف پروپیگنڈا قرار دیا تھا برسوں کی محنت اور جانفشانی سے کام لے کر اس ہندو مصنف نے غلط بیانی اور افتراء پر دازی کا ایک ضخیم دفتر پانچ جلدوں میں تیار کر دیا ہے اور یہ بدیہی ہے کہ کسی مسلمان مصنف نے اس متعصب ہندو

مصنف کا قابل پڑھرائی جواب نہیں دیا۔ جیسا عرض کیا گیا ہے کہ علامہ کو تاریخ اور خصوصاً مسلمانوں کی تاریخ سے گہری دلچسپی تھی مگر ان کے سامنے اور ضروری کام تھے جن کے لئے مشیت ایزدی نے ان کو منتخب کیا تھا پھر بھی کچھ تو جادو ناتھ سرکار کے زہر آلود پرسنگینڈا کے رد عمل سے اور کچھ اس دلوئے کے تحت جو حضرت عالمگیر کی تربت کی زیارت سے پیدا ہوا تھا علامہ نے ۱۹۱۷ء میں فارسی کے وہ چھپس اشعار تلمیذ کئے جو گو تعداد میں کم ہیں مگر حقیقت میں اپنے اندر ایک دریا معنی لئے ہوئے ہیں۔ ان اشعار کے ایک ایک لفظ سے حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ان اشعار میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں۔

شاہ عالمگیر مردوں آستان	اعتبار دو دمان گور گاں
پایہ اسلامیاں بر ترازو	احترام شرع پیغمبر ازو
در میان کارزار کفر و دیں	ترکش مارا عندنگ آخریں
تخم الحاد سے کہ اکبر پرورید	باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ یار دشمن بود	لمت ما از فساد امین نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را	آن فقیر صاحب شمشیر را
از پئے اعیانے دیں ماسور کرد	بھر تجدد یقین ماسور کرد
برق تیغش خرمن الحاد سوخت	شمع دیں در محفل مابرفروخت
کور ذوقاں داستاں ہا ساختند	وسعت ادراک او نشاخذ
شعلہ تو حید را پروانہ بود	چوں براہیم اندرین تہمانہ بود

در صف شاہنشاہاں یکتا سے

نقرا و در تر جمش پیدا سے

ان اشعار کی تشریح میں ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے یہاں اس تشریح کی

تو گنجائش نہیں پھر بھی چند خیالات کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ جیسا کہ خود اشعار سے ظاہر ہے پہلے بند میں علامہ نے حضرت عالمگیر کی شخصیت پر جامع اور بصیرت افروز تبصرہ مسپر و قلم کیا ہے علامہ فرماتے ہیں کہ حضرت عالمگیر کی ذات بابرکات نے اس برصغیر میں اسلام اور پیروان اسلام دونوں کا مرتبہ بلند کر دیا اور اس مرد مومن نے اس ملک میں شریعت نبوی کا احترام دوبارہ قائم کیا۔ یہ ہی نہیں نہ احقیقت حال پر غور کیا جائے تو یہ امر اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ اس برصغیر میں دین اور کفر کے درمیان جو جنگ صدیوں تک جاری رہی اس میں عالمگیر کا وجود دراصل اسلام کے ترکش کا ہی بر تھا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

ترکش مارا خدنگ آخریں

یہ مصرع بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ علامہ مرحوم نے ایک بار مرحوم دین محمد صاحب سے فرمایا تھا کہ انہوں نے اس مصرع پر چالیس بار نظر ثانی کی تھی تب کہیں اس مصرع نے اپنی موجودہ صورت اختیار کی۔ اللہ اللہ حکیم الامت علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر کی نظروں میں حضرت عالمگیر کا مقام کتنا ارفع و اعلیٰ تھا کہ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کی تلاش میں کتنی کادش کرنی پڑی۔

آگے چل کر علامہ فرماتے ہیں کہ اگر جیسے مرند نے کفر و الحاد کا جو تخم ہندوستان میں بویا تھا اور جس کی آبیاری داراشکوہ جیسے گمراہ نے دوبارہ کی تھی ان بپا پاک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ملت اسلامیہ کے لئے اس ملک میں ایسے خطرات پیدا ہو گئے تھے کہ ذات باری تعالیٰ نے موقع کی نزاکت کا بروقت مقابلہ کرنے کے لئے اس مرد غازی حضرت عالمگیر کو منتخب کیا۔ یہ عالمگیر وہی تھا جس کی ذات میں قدرت نے فخر اور سلطنت کو یکجا کر دیا تھا اس مرد مجاہد نے داراشکوہ کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا اور اس برصغیر میں دین کا چسراغ دوبارہ

روشن ہوا۔

کو رذوقاں داستانہا ساختند

وسعت اور اکب اور نہ شناختند

متعصب اور کوتاہ ہیں مورخوں نے جن میں فرنگی بھی شامل ہیں اور ہندو بھی اس مرد مجاہد کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹی داستانیں گھڑی ہیں، یہ کو رذوق اس عالی مرتبت انسان کی دور اندیشی، انتظامی قابلیت اور اعلیٰ سیرت کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھے۔ تعصب ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔

انہیں لے دے کے ساری ہٹری میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اس مرد مومن کو اللہ تعالیٰ نے اجائے دین اور تجدید یقین کے لئے مامور فرمایا تھا اور وہ تمام عمر اسی عظیم نصب العین کے حصول کے لئے کوشاں رہا۔ اس درویش بادشاہ کا مقصد حیات جہانزاری نہ تھا بلکہ خدمت خلق تھا۔ اس بند کو علامہ نے اس شعر پر ختم کیا ہے کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی فہرست میں عالمگیر کا کوئی ثانی نہیں، اور اسلام کی جتنی خدمت اس مرد مجاہد نے کی ہے مسلمانوں کے عہد حکومت میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہے جس طرح اس کی زندگی ایک لاثانی مثال ہے خدمت دین کی اسی طرح اس کی تربیت ہے جو غلہ آباد کے قبرستان میں ادیاد اور ہندوگوں کے مزاروں کے جوار میں واقع ہے ایک شانِ فقر ظاہر ہوتی ہے۔

دروصفت شایستہاں یکتاستے

فقر اواز قربش پیدا مستے

علامہ کے نزدیک فقر کا مقام بہت اعلیٰ ہے اور ان کی نظروں میں اسلام کا

دوسرا نام ہی فقر ہے۔ فقر بنتا ہے ذکر اور فکر کے امتزاج سے ایک جگہ علامہ فرمایا ہے

بتاؤ تجھ کو مسلمان کی زندگی کیا ہے

یسے نہایت اندیشہ اور کمال جنوں

الغرض حضرت عالمگیر نے فقر کی طرف اشارہ کر کے علامہ نے دراصل اس مردِ مومن کے عالی مقام کو واضح کر دیا ہے۔ عالمگیر کی اسلامی سیرت کے بعض روشن پہلوؤں کی وضاحت کرنے کے بعد علامہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک دن نماز فجر سے پہلے جنگل کی طرف سیر کئے نکل گئے۔ اسی سیاحت کے دوران نماز کا وقت آگیا تو اس مردِ مسلمان نے جنگل ہی میں نماز کی نیت باندھ لی، اتفاقاً اس طرف ایک جنگلی شیر نکل آیا اور حضرت عالمگیر پر جو نماز ادا کر رہے تھے حملہ آور ہوا، ظاہر ہے کہ شیر کے حملے سے دوسرا کوئی انسان ہوتا تو اس ہاتھ ہو جاتا مگر عالمگیر نے سچا خیر نکال کر شہ کا پتہ چاک کر دیا اور شیر کو اس طرح ہلاک کر کے پھر ادائیگی نماز میں مشغول ہو گئے اس واقعہ سے علامہ نے یہ سبق حاصل کیا ہے۔

قوتِ ایمان حیاتِ افزایدت در دلائفِ عظیم بایدت

ہر کہ رمزِ مصطفیٰ فہمیدہ است شرک را در خوفِ مضمودید است

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد علامہ اپنے لطیف پیرایہ میں اپنا تصور حیات پیش کیا، جسکی اسکی کاغذ خوری

خوش را در بازو خود را بازگیر دام گستر از نیاز و نیاز گیر

دیکھا جاتا تو علامہ نے حضرت عالمگیر کی زندگی کے ایک واقعہ سے نیاز و نیاز کے انداز بیان میں ایک مردِ کامل کی زندگی کا راز بتا دیا ہے اور بالآخر اس قصہ کے خاتمہ پر ایمان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

خوف حق عنوانِ ایمان است و بس خوف غیر از شرک نہان است و بس

الغرض علامہ نے ان چھپیں اشعار میں حضرت عالمگیر کے خلاف جو کچھ جھوٹا

پروپیگنڈا کیا گیا ہے اس کا منہ توڑ جواب دے دیا ہے۔ جسکی مثال مشکل سے ملے گی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے علامہ مرحوم حضرت عالمگیر کی روحانی عظمت اور قوت ایمان کے دل سے معتقد تھے اور جن حوالہ جات کا ابھی ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی علامہ نے اپنی نثر اور نظم میں حضرت عالمگیر کا ذکر کیا ہے، اور جہاں بھی ذکر کیا ہے وہاں بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ پیام مشرق میں جو سہ ماہی شائع ہوئی تھی علامہ نے ایک نظم "عالمگیر" کے عنوان سے لکھی تھی جس میں دراصل عالمگیر کے اس خط کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے دوست سر بیٹے ابوالعظم شمس الدین محمد کو لکھا تھا۔ جب حضرت عالمگیر کو معلوم ہوا کہ ان کا بیٹا ان کی موت کی دعا کر رہا ہے تو انہوں نے شہزادے کو لکھا کہ اے نادان یہ تیرا خیال غلط ہے کہ وہ رب ذوالجلال محض تیری آرزو پوری کر کے مجھ کو قبل از وقت موت دے گا۔ دنیا کا تو ہر کام مشیت ایزدی کے تحت ہوتا ہے۔ یوں انسان کی جا اور بے ما خواہشوں کی تکمیل کے لئے کارروائی ہونے لگے تو سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس نظم کا خاتمہ اشعر بجا ہوتا ہے۔

پند آں کہنہ نخبیر گیر بدام دعائے تو گرد و اسیر

الغرض علامہ کو اس مباحثہ اعظم کی شخصیت سے گہری عقیدت تھی اور اس عقیدت کا اظہار انہوں نے اکثر مقامات پر کیا ہے جن میں سے یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔
جب حضرت عالمگیر کا خیال آتا ہے تو علامہ کے یہ اشعار معاً یاد آ جاتے ہیں۔

بات ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کشاد کار ساز

خاک و نوری نہاد بندہ سوا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

بلاشبہ عالمی مرتبت انسان صحیح اور حقیقی معنوں میں مرد مومن تھا اور مومن علامہ کے

یہاں سخراج انسانیت کا مظہر ہے۔

اورنگ زیب الملیر کے اقوال

از محمد رحیم دہلوی

فحلت چھوڑ دو اور اپنی فکر کرو، موت شریک سے قریب ہے۔

عقلندہ ہی ہے جو آج کو قیمت جانے۔

حال کا رخ جانے کی طرف ہے اور مستقبل کا رخ آنے کی طرف۔

ادروں کو نصیحت کرنے سے بہتر ہے کہ خود عمل کرو۔

میں فطرتاً خدا آشنا پیدا ہوا تھا۔ افسوس دنیا کے تھیلوں میں سب کچھ بھلا بیٹھا

جو سانس خدا کی یاد کے بغیر چلا گیا، اس کا افسوس کرو۔

مجھے تو رعیت پروردی اور ملک داری بھی نہ آئی۔ عمر عزیز مفت گنوائی۔

وہ مجھ میں موجود رہے اور نظر نہیں آتا۔

زندگی اپنا انداز ہے۔

عمر جتنی گزر گئی نہ معلوم کہاں کھوئی۔

جب میں نہ رہا تو اور کون رہا۔

کشتی دریا میں ڈال دو جو ہونا ہے ہو جائے گا۔

اچھا بُرا جو کچھ لیا ہے اسے خود بھگتنا پڑے گا۔

اکیلا آیا تھا اور گناہوں کا قافلہ لے جا رہا ہوں۔

بندوکی خبر گیری خدا کے ہاتھ تو ہے ہی، مگر بادشاہ پر بھی حفاظت کا فرض مائد ہوتا ہے۔

کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھا جس سے مسلمانوں کا خون بہے۔

آہستہ کا خیال مارے ڈال رہا ہے۔

کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔

مجھے ننگے سر دفن کیا جائے، شاید خدا کو اس صورت پر رحم آئے۔

ایرانی جاہ طلب ہیں، مگر ان سے جبری اود ثابہت قدم بھی کوئی نہیں۔

لورانی اچھے سپاہی ہیں، لوٹ مار اور شہجوں کے کام شہاب انعام دیتے ہیں، مگر میں محکمہ میں شہباز ہیں۔

سیدوں کا امتزاع ضروری ہے۔

سلطات بارہ سے محتاط رہنا چاہئے، وہ فرازدائی کے طالب ہیں۔ ذرا ڈھیل دی تو پشیمانی ہوگی۔

بادشاہ کو چاہئے ہمیشہ ملک کا دورہ کرتا رہے۔ کہیں جم کر نہ بیٹھے۔

ملکی معاملات میں دلدادہ پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

سلطنت کی پائنداری ملک کی خبرداری پر منحصر ہے۔

میں نے شیوا کو ذرا سی ڈھیل دی تھی اس لئے ساری عمر اس کی تلافی میں گزارنی پڑی۔

بادشاہ کے پاس جو املاک اور خزانے ہیں وہ اس کی میراث نہیں ہیں وہ ملک و ملت کی

امانت ہیں۔

شہر وقت پر بھی قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا جاسکتا ہے۔

اسور جہان بینی میں ہم حضرت عمر فاروقؓ کے پیرو ہیں۔

پارسیوں کو بد مذہب ایرانی کہنا نامناسب ہے۔

غہبی امور میں تعصب کو دخل نہ ہونا چاہئے۔

کوئی حاکم فیصلہ میں رورعایت نہ کرے۔

ماہ داری وصول کرنی راہ زنی ہے

کسی جرائم پیشہ کو کہیں پناہ نہ دی جائے۔

رعایا میں سے جس کو بادشاہ پر دھوی کرنا ہو کر سکتا ہے۔

کوئی گرفتار شخص مجرم نہ ہو تو فوراً رہا کیا جائے۔

ہر جگہ بچوں کو سرکاری خرچ سے تعلیم دی جائے۔

مقدموں میں نادا جب تاخیر غلط ہے۔

جب تک دم میں دم ہے کام باقی ہے۔

خدا کی طرف سے میرا فرض ہے کہ میں اپنی رعایا کو ظلم و تشدد سے بچاؤں۔

میں جس مقام پر ہوں دنیا سے نکلنے اٹھائے ہوئے ہوں اور اپنے اوپر مرنا آسان کئے ہوئے ہوں۔

مسلمان مسلمان کی مدد کرے۔

ہماری جہانیاں حضرت عمر فاروقؓ کے طرز عمل کی تابع ہے فتح عراق میں ہنوتے اپنے ایک غلام کی

دی ہوئی امان کو اپنا یا تھا۔ ہم نیکنام خاں کے معاہدہ کو اپنا معاہدہ قرار دیتے ہیں۔

مسلمانی سرمایہ جاودہ الی ہے۔

خدا ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں دیتا۔

شاہی خزانے شخصی جائداد نہیں۔ وہ رعایا کی سپرد کے ٹھکانہ و فستہ ہیں۔

فتح خدا کے حکم کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

بادشاہ کی جرأت میں فرق آئے تو سلطنت نہیں رہتی۔

عزت و ذلت حکم الہی پر منحصر ہے۔

جو آدمی اپنے نفس کو ذیل رکھتا ہے اللہ اس کو عزت سے نوازتا ہے۔

(ماخوذ از عالمگیری تاہ اثر عالمگیری فتوحات عالمگیری منتخب اللباب

آداب عالمگیری و روایات عالمگیری -)

زُیْبُ النِّسَاءِ بَیْگَم

از بیگم ممتاز معین پکچرار، کراچی کالج فار وین

زُیْبُ النِّسَاءِ بَیْگَم، مشہد شاہ عالمگیر کی ریجے بڑی بیٹی تھی۔ اس کی والدہ کا نام دل رس بانو بیگم تھا۔ جو جہانگیر کے ایک درباری بدیع الزماں کی لڑکی تھی۔ بدیع الزماں کی عمدہ خدمات کے صابین جہانگیر نے اس کو شاہ نواز قاں کا خطاب عطا کیا تھا۔ شاہ جہاں بھی اس سے خوش تھا۔ چنانچہ اسی لئے شہزادہ اورنگ زیب کی شادی دل رس بانو کے ساتھ کی گئی

زُیْبُ النِّسَاءِ ۱۶۳۸ء میں دولت آباد میں پیدا ہوئی چند سال بعد اس کی تعلیم کی ذمہ داری ایک مسلمہ حافظہ مریم کے سپرد کی گئی۔ زُیْبُ النِّسَاءِ نہایت ذہین تھی چنانچہ اس نے بہت جلد کلام اللہ حفظ کر لیا۔ اور فارسی و عربی پڑھنا شروع کر دیا۔ قرآن حفظ کرنے پر اورنگ زیب کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے تیس ہزار اشرفیاں ہانڈی کو بطور انعام دیں۔ تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ زُیْبُ النِّسَاءِ نے عربی اور فارسی میں اچھی استعداد حاصل کی۔ اس کے علاوہ فن خطاطی میں بھی مہارت رکھتی تھی۔ ماثرا عالمگیری کا بیان ہے کہ وہ نسخ، تسمیق اور شکستہ خوبی کے ساتھ لکھتی تھی شہزادی کو علم سے بہت زیادہ دلچسپی تھی، اس کے اساتذہ میں قاسم علی شرف ماثرا ندانی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ عالمگیر کے پہلے جلوس کے موقع پر ایران سے برصغیر آئے اور جلد ہی ان کو شہزادی کا استاد مقرر کر دیا گیا۔ اس وقت زُیْبُ النِّسَاءِ کی

عمر اکیس سال تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالم گیر کی خواہش تھی کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔ اور اس میں شک نہیں کہ علم و فضل میں اس نے کمال حاصل کیا مرآۃ العالم کے مصنف بتلادور خاں کے الفاظ یہ ہیں۔

”از تحصیل علوم عربی و فارسی بہرہ تمام اندوختہ“ ملا سید شاعر بھی تھے اور زیب النساء انہیں سے اصلاح لیتی تھی۔ اس کا تخلص مخفی تھا۔ اس کو شعر گوئی سے شغف بھی تھا۔ اور طبیعت بھی موزوں پائی تھی۔ چنانچہ اس کے اشعار اعلیٰ پایہ کم میں لیکن یہ افسوس ہے کہ اس کے بہت کم اشعار ہم تک پہنچے ہیں۔ ملا سید شرف کے ذکر میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ زیب النساء کی بیاض اس کی ایک کنیز کے ہاتھ سے حوض میں گر گئی اور شائع ہو گئی مکن ہے یہ بیان صحیح ہو لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اس وقت اس کے بہت کم اشعار ملتے ہیں۔ اس کے نام سے دیوان مخفی جو شائع ہوا ہے وہ یقیناً اس کا نہیں ہے۔ یرونیس محفوظ الحق نے اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ معارف کی جلد ۱۵ نمبر ۵ میں شائع ہوا ہے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ دیوان ایک اور شاعر مخفی رشتہ کا ہے جو شاہ جہاں کے زمانہ میں برصغیر آیا تھا۔ شاہی دربار تک اس کی رسائی نہیں ہوئی اس لئے اس کا کلام مشہور نہیں ہوا۔ بعد میں بعض معتقداً نے تخلص ایک ہونے کی وجہ سے اس کے سارے دیوان کو زیب النساء سے منسوب کر دیا۔

بعض تذکروں میں زیب النساء کے کچھ شعر نقل کئے گئے ہیں ان میں

دو یہ ہیں۔

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نہ شد

کو رہ چٹھے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد

عہد بہار آخر شد دم ہر گل بہ فرغے جا گرفت

غنیۃ باغ دلِ مازیب و ستارے نہ شد

زبِ النار کو فی البدیہہ شعر کہنے میں اچھی مہارت تھی اور بہت سے اشعار اس کی طرف اس سلسلہ میں منسوب کئے گئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کی نسبت بے بنیاد ہے۔ ان کے متعلق بعد میں قصے گروہ لے گئے ہیں۔ ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تاریخی حیثیت سے صحیح ہو۔ زبِ النار کے پاس ایک قیمتی اور نایاب چینی آئینہ تھا یہ اس کی ایک کنیز کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا۔ یہ کنیز جس کا نام روشن تھا شہزادی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا۔

از قضا آئینہ چینی شکست

زبِ النار نہایت نرم دل اور بردبار شہزادی تھی کنیز پر غصہ کرنے کی بجائے - اس کو معاف کر دیا۔ اور چونکہ اس کے الفاظ حقیقتاً ایک مصرع کی شکل میں تھے اس لئے اس نے بھی جواب میں یہ مصرع ہی کہا۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست

اس مصرع کی خوبی ظاہر ہے اور اس سے اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کس آسانی سے وہ فی البدیہہ شعر کہہ سکتی تھی۔

زبِ النار صرف شعر ہی نہیں کہتی تھی، نثر نگاری میں بھی اس کو اچھی مہارت تھی۔ اس کے خطوط اور رقعات اس مرتبہ کے تھے کہ ان کو جمع کر کے کتاب کی شکل دی گئی تھی۔ اس مجموعہ کا نام زبِ النار انشآت تھا۔ اس کا کوئی نسخہ اب تو نہیں ملتا لیکن تذکرۃ الغرائب کے مصنف نے یہ کتاب خود دیکھی تھی۔

تصنیف و تالیف سے زیادہ زبِ النار کی شہرت اس کی علم پروری اور علم و فضلہ کی سرپرستی کی بدولت ہے۔ اس کو چار ارکھ سالانہ کا جو وظیفہ ملتا تھا

اس کا بیشتر حصہ ایک اکیڈمی پر خرچ ہوا تھا جو اس نے اپنی نگرانی میں قائم کر رکھی تھی۔ اس کی سرپرستی میں چند تصانیف کی تیاری کا ذکر ملتا ہے جن میں تفسیر کبیر کا فارسی ترجمہ قابل ذکر ہے۔ یہ ملا صفی الدین اردبیلی کشمیری نے کیا تھا اور شہزادی کے نام پر اس کا نام زیب النساء سیر رکھا تھا۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ زیب النساء سیر کے چار حصے ناپید ہو گئے۔ صرف پانچواں حصہ آکسفورڈ کی بوڈلین Bodleian لائبریری میں محفوظ ہے اس میں (۶۱۶۱) چھ سوسول صفحے ہیں اور تاریخ ۱۰۸۱ھ موجود ہے۔ غالباً یہ نسخہ خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زیب النساء کی علم پروری، ذہانت اور حسن اخلاق نے اس کو بہت عزیز اور قبول بنا دیا تھا۔ خود عالمگیر کو بھی وہ بہت عزیز تھی۔ (جشن جلوس کے موقع پر جو انعامات دیے جاتے تھے اس وقت اس کو بھی گراں قدر رقم ملتی تھی۔) لیکن باپ کی اس محبت کے باوجود زیب النساء نے ایک شدید غلطی بلکہ جرم کیا جس کی مزا اس کو عمر قید کی شکل میں بگتی پڑی۔

۱۶۸۰ء میں عالمگیر راہپوتوں کی بغاوت کو روکنے کے سلسلے میں اجمیر میں مقیم تھا اس وقت شاہی فوج کی کمان شہزادہ اکبر کے ہاتھ میں تھی جو زیب النساء کا حقیقی بھائی تھا۔ یہ شہزادہ راہپوت سرداروں کے درغلانے میں آگیا اور ان سے مل کر اس نے عالمگیر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اکبر کی بغاوت سے حالات نہایت نازک ہو گئے کیونکہ تقریباً ساری فوج اسی کے ساتھ تھی۔ اس زمانے میں عالمگیر کے کمرپے حالات معلوم کرنے کے لئے اکبر اپنی بہن زیب النساء کو خطوط بھیجتا تھا اور شہزادی اس سے ہمدردی رکھنے کی وجہ سے اس کو ضروری معلومات ہم پہنچاتی تھی۔ یہ خط و کتابت خفیہ طور پر ہوتی تھی اور اکبر کے خطوط ایک عالم ملا محمد عاقل کے اعافوں میں آتے تھے چونکہ زیب النساء کی خط و کتابت علماء سے ہوتی تھی۔ اس لئے اس پر کوئی شک نہ ہوا۔

اکبر کی شکست اور فرار کے بعد یہ خطوط پکڑے گئے۔ اس جرم کی سزا میں عالمگیر نے
 زیب النساء کو قید کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قیدی کی حیثیت سے دہلی لائی گئی اور
 یہاں سلیم گڑھ کے قلعہ میں نظر بند کر دی گئی۔ اسی حالت میں اس نے اپنی عمر کے باقی
 اکیس سال گزارے آخر کار چونتیس سال کی عمر میں ۱۷۰۲ء میں اس نے وفات پائی۔ اور دہلی
 کے باہر سی ہزاری میدان میں دفن ہوئی۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے نہ ہو گا کہ خانی خاں کی کتاب
 میں عالمگیر کے بیٹوں کی جنگ تحت نشینی کے سلسلہ میں زینت النساء کا نام زیب النساء چوٹیا
 ہے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ سر ہنری ایٹ Sir Henry Elliot نے بھی یہی غلطی
 کی ہے۔ اور زیب النساء کو ۱۷۰۰ء میں زندہ دکھلایا ہے۔ حالانکہ اس کا انتقال ۵ سال
 پہلے ہو چکا تھا۔

علوم و فنون کی سرپرستی اور علمی و ادبی فضائل کے علاوہ زیب النساء کا ذاتی اخلاق
 و اوصاف بھی قابلِ تعریف ہیں۔ تذکروں میں متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا
 ہے کہ وہ بے مدبر و بار اور حلیم الطبع تھی۔ غریب اور محتسروں پر مہربانی کرتی اور انکی
 ضروریات پوری کرنے کی کھل کوشش کرتی اگرچہ اس کی عمر کے ابتدائی بیس سال شاہجہانی
 شان و شوکت میں گزرے تھے۔ لیکن اس کی نجی زندگی سادہ بنی اور اس کا زیادہ
 وقت علمی مشاغل اور عبادت وغیرہ میں صرف ہوتا تھا۔

ایسا پاکیزہ اخلاق اور اتنی صلاحیتیں رکھنے والی اس شہزادی پر بعض غیر ذمہ دار
 مصنفوں نے عاقل خاں سے تعلقات رکھنے کا الزام لگایا ہے اور اس سلسلے میں بہت سے
 جھوٹے قصے بیان کئے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ الزامات تراشنے میں ان لوگوں
 نے وہ باتیں کہی ہیں جو زیب النساء تو کیا معمولی اخلاق کی عورت کے متعلق بھی صحیح تسلیم
 نہیں کی جاسکتیں۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ان جھوٹے قصوں کی ابتداء کس سے ہوئی
 لیکن یہ بلایا جاسکتا ہے کہ ہم عصری نہیں بلکہ اٹھارھویں صدی کے بھی سنجیدہ اور

قابل اقبال موصوفہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے پور میں مستیاح مثلاً برنیر ٹیو
 رنیر اور منوہلی وغیرہ میں بھی کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ یہ لوگ، جیسے جھوٹے قصے
 ایجاد کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ جن سے شاہی خاندان کے افراد یا دہسکر سربراہ اور وہ لوگوں
 کے کردار پر داغ تانا ہو۔ بہر حال اتنا صحیح ہے کہ سب سے پہلی کتاب جس میں ان افسانوں
 کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے غشی احمد الدین کی درمستوم ہے۔ اس مصنف نے
 اپنا ماخذ ایک دوسری کتاب حیات زیب النساء از محمد الدین بتدوین ہے۔ شعراء کے
 تذکروں میں بھی بعض شعراء کو سس قسم کے قصات کی طرف اشارہ
 کیا گیا ہے۔

افسانوی رنگ میں زیب النساء درماتل خاں کے تعلقات کا ذکر جس طرح
 کیا گیا ہے اس میں وہاں مختصر بیان کیا جاسکتا ہے۔ عاتق نے زیب النساء کو دیکھ
 اور اس پر فریاد سونپا اور لوں چھپ چھپا رٹنے کے عائد کو خرید لی تو اس نے
 زیب النساء سے شادی کے لئے کہا اور اس نے عاتق خاں کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ دربار
 میں ملازم بن گیا۔ عاتق نے زیب النساء کو بکایا کہ تنہا۔ اس کو بلوا کر
 قتل کرنا چاہتا ہے۔ عاتق خاں ڈر گیا اور دل زمرست سے استعفاء دے کر بھاگ گیا
 اس موقع پر زیب النساء نے یہ شعر کہا۔

شیدم کہ ترک خدمت کرد عاتق خاں بہ ناوانی

چرا کارے کند عاتق کہ باز آید پشیمانی

کچھ عرصہ بعد دونوں نے پھر خفیہ طور پر ملنا شروع کر دیا اس کی خبر عالمگیر کو ہوئی
 وہ ایک موقع پر پہنچ گیا جب کہ عاتق خاں موجود تھا شہنشاہ کے آنے کی خبر سن کر
 وہ گھبرا گیا اور ایک دیگ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ عالمگیر آیا اور اس نے زیب النساء کے دربارت
 کیا، دیگ میں کیا ہے پشہزادی نے کہا پانی ہے گرم کرنے کے لئے۔ بادشاہ نے کہا اچھا

جاؤ اس نے نیچے آگ جلا دو۔ وہ گئی اور آگ جلادی اور آہستہ سے عاقل خاں سے کہا۔ اگر
مجھے عاشق ہو تو آواز نہ نکالنا۔ چنانچہ وہ خاموشی کے ساتھ پروانہ وار بل کر
ختم ہو گیا۔

افسانہ نگاروں کے نزدیک یہ قصہ کتنا ہی دلکش کیوں نہ ہو تاریخ ان کو کبھی معاف
نہیں کر سکتی۔ کہ عالمگیر جیسے نیک انسان اور اس کی نیک بیٹی پر انہوں نے ایسے غلط الزامات
لگا کر ان کو بدنام کیا ہے۔ اب ذرا تاریخی حقائق پر بھی نظر ڈالئے۔

واقعات کا زمانی ترتیب کے ساتھ مطالعہ کرنے سے پہلے یہ بھی غور کیجئے کہ عالمگیر
عاقل خاں سے تعلقات کو ناپسند کرتا تھا تو اس نے زیب النساء کو یہ اختیار کیوں دیا کہ خود
شوہر کا انتخاب کرے اور جب اس نے عاقل خاں کا انتخاب کیا تو اس کو کس طرح منظور
کر لیا۔ دیگ میں جلانے کے سلسلے میں یہ کس قدر مہل بات ہے کہ اس کو بلوایا
گیا۔ کیا شہنشاہ اس کو گرفتار کر کے قتل نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سب باتیں مہل بلکہ
احتمالہ ہیں۔

۹۔

عاقل خاں کے واقعات مختلف تاریخوں میں مثلاً مائٹلہامراؤ میں ۱۶۸۰ میں دہلی
جائے ہیں۔ وہ اس وقت سے اورنگ زیب کی ملازمت میں تھا جب یہ دکن کا واکرا
تھا۔ اس پر اورنگ زیب کو بے حد اعتماد تھا چنانچہ
بادشاہ ہونے کے بعد معمول کے طور پر ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۶۸۰ میں وہ دہلی
کا صوبہ دار بنادیا گیا اور اپنی وفات تک جو ۱۶۹۶ میں ہوئی وہ یہیں رہا۔ اس نے
باقاعدہ مشاہل زندگی بسر کی اور اس کے بیٹے اور داماد کا ذکر ہم کو کتابوں میں ملتا
ہے۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ستر (۷۷) سال سے زیادہ تھی۔

عالمگیر سے عاقل کے تعلقات اور ایک دوسرے پر اعتماد کا اندازہ اس واقعہ سے
لگایا جاسکتا ہے کہ جب اورنگ زیب کی بیوی زینب آبادی نے وفات پائی تو

اس کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور صدمے کو دور کرنے کے لئے اس نے شکار پر جانیکا
انتظام کیا۔ عاقل خاں کو ساتھ جلتے کا حکم ملا۔ اس نے کہا ایسی حالت میں شکار
کو جانا مناسب نہیں ہوگا۔ اس پر اورنگ زیب نے یہ شعر پڑھا۔

نالہ ہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست

در بیا باں می توں، فریاد خاطر خواہ کرد

عاقل خاں نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا۔ جو اورنگ زیب کو بہت پسند
آیا۔ اور اس سے بار بار سنا۔

عشق چہ آساں نمود، آہ چہ دشوار بود

ہجر چہ دشوار بود، یار چہ آسان کرد

زیب النساء کی زندگی پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالئے۔ آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ
اس کو عشق بازی کی فرصت اور موقع کس طرح مل سکتا تھا؟ جب تک عالمگیر شمال
میں مقیم رہا زیب النساء اس کے ساتھ رہی۔ جس وقت زیب النساء قیدی کی
حیثیت سے دہلی لائی گئی اس وقت اس کی عمر ۳۴ تینتالیس سال تھی یہ صحیح ہے
کہ اس زمانہ میں عالمگیر دہلی میں نہ تھا مگر اس عمر میں یہ بھی ظاہر ہے کہ زیب النساء
عشق بازی نہیں کر سکتی تھی۔ تاریخی واقعات کی شہادت کے علاوہ اگر ہم زیب النساء
کا درویشانہ مذاق و زندگی اور طرز رہائش کو بھی ذہن میں رکھیں تو اس کو شہنشاہ
کے خلاف بغاوت کا ملزم مان لینے میں تو تامل نہ کریں گے۔ لیکن کسی نوجوان سے
عشق بازی اور خفیہ ملاقاتوں کے مذہبی اور سماجی جرم کا مرتکب ہرگز نہ سمجھیں گے۔
زیب النساء ہماری تاریخ کی ان مشہور خواتین میں شمار کئے جانے کے قابل ہے
جن پر قوم فخر کر سکتی ہے۔ ایسی پاکیزہ شخصیت پر گندے الزامات لگانا خود ایک اخلاقی
جرم ہے۔

عالمگیر

از رشید ہاشمی

اے شہنشاہ ابن شاہنشاہ شہ ہندوستان مرد حق آگاہ حق میں واقف ستر نہاں
 اے شہ صوفی منش، زہد و توکل کنشان ہند کی تاریخ میں اسلام کے رُوح رواں
 آج جس کی یاد میں ہر اہل دل دلگیر ہے۔
 وہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر ہے
 سرزمین ہند کے شاہنشاہ عالی وقار تو سمجھتا تھا کہ کیا ہے یہ حیاتِ مستعار
 صاحبِ فقر و قناعت، متقی، پرہیزگار تیرے دور سلطنت کا تھا اثرِ بخت پر مدار
 تیری ساری زندگی غذا مصلح ماکدر
 دین کی تبلیغ تھی ہر دم ترے پیش نظر
 علم پرور عادل گستاخ من کے پیغامبر صلح جو، باطل شکن اے صاحبِ جفا و سپر
 تو جہان آب و گل میں یوں رہا گرم سفر ہر نفس تیری خدا کی استعانت پر نظر
 قیصرِ اعظمِ حکمرانی بے مثال و بے نظیر
 تیری ہستی ایشیائے زہد و تاج و سریر
 بلخ کا وہ واقعہ تاریخ کا زرین باب جس نے تیری عظمتوں کو کر دیا بے نقاب
 لشکرِ اعدا و سرسیدانِ محوِ پیچ و تاب معرکہ میں بر سرِ بیکار تھا پر شمع و شتاب
 رزم گاہ میں جب کہ امواجِ فنا تھیں تند و خیز
 بارگاہِ ربِ عزت میں ہوا تو سجدہ ریز

چند مفید کتابیں

- (۱) معاشری و علمی تاریخ (۱۱۱-۱۴۰۴ھ) قیمت - چھ روپہ پچھتر پیسہ
از ڈاکٹر سید معین الحق
- (۲) اسلامی عہد میں فن تعمیر (مع ۲۱ عکسی تصاویر)
(۱۱۱-۱۴۰۴ھ) قیمت - چھ روپہ
- (۳) سرکشی ضلع بجنور (تصنیف سر سید احمد خان)
- تہ ڈاکٹر سید معین الحق قیمت چھ روپہ
- (۴) تاریخ شیر شاہی
عباس خان سروانی کی مشہور تاریخ کا اردو ترجمہ
از مظہر علی ولا قیمت پانچ روپہ
- (۵) تذکرہ صوفیائے پنجاب (صفحات ۷۱۰)
از مولوی اعجاز الحق قدوسی قیمت پندرہ روپہ
- (۶) سوانح خواجہ معین الدین چشتی رح
از وحید احمد مسعود قیمت چار روپہ پچاس پیسے
- (۷) ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی رح
اردو ترجمہ فخرالطالبین و مناقب فخریہ . قیمت چار روپہ پچاس پیسے
- (۸) الحکمۃ فی مخلوقات اللہ (تصنیف امام غزالی)
اردو ترجمہ از مولوی محمد علی قیمت تین روپہ پچیس پیسہ
- (۹) اسلامی ہند پاکستان کی تاریخ تعلیم
از پروفیسر نوشہ علی قیمت چھ روپہ پچھتر پیسہ
- (۱۰) تواریخ عجیب المعروف بہ کالا پانی
مرتبہ محمد ایوب قادری قیمت چار روپہ پچاس پیسہ
- (۱۱) مقالات یوم عالمگیر قیمت چار روپہ

دائرہ معین المعارف : ۳ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی